نمل
نمرہ احمد
قسط نمبر 26
فرزندِ نازنین
(The Beloved Child)
Read 26th Episode of Naml in Khawateen Digest

# نمل (نمرہ احمد)

چھبیسویں قسط:

## ''فرزندِ نازنین!''

ایک دفعہ ایک کشتی میں
سوار ہوا ایک بادشاہ'
ساتھ ایک عجمی غلام کے۔
اور غلام نے نہ دیکھا تھا کبھی دریا'
اور نہ کبھی اٹھائی تھی کشتی کی تکلیف۔
لگا وہ رونے دھونے'
اور کانپنے لگا اس کا بدن۔
کرکرا ہو گیا اس سے بادشاہ کا سارا مزہ'
کہ نہیں سہہ سکتی تھی اس کی نازک طبع ایسی باتوں کو۔
لوگوں کی سمجھ میں نہ آئی کوئی تدبیر۔
تھا اس کشتی میں ایک عقلمند بھی۔
بولا وہ بادشاہ سے اگر ہو حکم....
تو خاموش کراؤں اس کو ایک طریقے سے؟
کہا بادشاہ نے، بڑی مہربانی ہو گی۔
سو مطابق اس دانا آدمی کے حکم کے'
لوگوں نے پھینکا غلام کو دریا میں۔
کھائے غلام نے چند غوطے۔
پھر پکڑا لوگوں نے اس کو سر کے بالوں سے۔

اور لائے کشتی کے آگے۔

وہ غلام لٹک گیا دونوں ہاتھوں سے کشتی کے دنبالے میں

پھر جب نکلا دریا سے تو ایک گوشے میں

بیٹھ گیا اور اس کو سکون ہو گیا۔

ہوا بادشاہ کو تعجب، پوچھا اس نے۔

کیا تھی دانائی اس عمل میں؟

جواب دیا عقلمند نے کہ

غلام نے اس سے پہلے نہ اٹھائی تھی

تکلیف ڈوبنے کی۔

اور وہ ناواقف تھا

کشتی میں محفوظ رہنے کی قدر سے۔

آرام کی قدر وہی کرتا ہے

جو پھنس جائے کسی مصیبت میں۔

اے پیٹ بھرے تجھے اچھی معلوم نہیں ہوتی

جو کی روٹی۔

جو چیز تجھے بری معلوم ہوتی ہے وہ ہی میرے لئے بھلی ہے

بہشت کی حوروں کے لئے

اعراف دوزخ ہے۔

دوزخیوں سے پوچھ،

کہ اعراف بہشت ہے!

(ایک رائے کے مطابق اعراف جنت اور جہنم کے اس درمیانی مقام کو کہا جاتا ہے جہاں وہ لوگ کھڑے ہوں گے جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہو جائیں گی۔)

(حکایتِ سعدی از کتاب گلستانِ سعدی)

آسمان پہ سورج سنہرے تاروں کا جال بن کر سب کے سروں پہ تانے کھڑا تھا۔ مورچال کی سبز بیلیں اس دھوپ میں جھلس رہی تھیں۔

حالانکہ ابھی صبح بھی پوری طرح جاگی نہیں ہوئی تھی۔ کچن کی کھڑکی سے جھانکو تو بلائنڈز کے جھلو سے گول میز دکھائی دیتی تھی جس کے گرد وہ دونوں بیٹھے تھے۔ زمر سیاہ کوٹ پہنے' گھنگریالے بال آدھے باندھے' چائے کے گھونٹ بھرتی غور سے سعدی کو دیکھ رہی تھی جو قدرے گم صم سا بیٹھا تھا۔ گہرے سبز کرتے میں ملبوس گیلے بال برش کیے' وہ تازہ دم اور تیار تھا' البتہ آنکھیں اداس تھیں۔ غائب دماغی سے کپ کے منہ پہ انگلی دائرے میں پھیر رہا تھا۔ زمر نے نرمی سے اسے پکارا۔ "سعدی!" وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"آج تم کٹہرے میں کھڑے ہوگے اور تم سے جرح کی جائے گی۔ تم نروس ہو؟"

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"یہ موقع آنا تھا' جب تم نے اس عدالتی جنگ شروع کرنے کا فیصلہ کیا تھا میں نے تب ہی تمہیں بتا دیا تھا کہ یہ موقع آئے گا۔ تمہیں کٹہرے میں جانا ہوگا۔ پہلے میں تم سے سوال کروں گی' پھر وہ تم سے جرح کرے گا۔ تم خود کو کیسے پریزنٹ کرتے ہو' یہ تم پہ منحصر ہے۔"

"میں ٹھیک ہوں۔ اور میں ٹھیک ہی رہوں گا۔" وہ ذرا سا مسکرایا۔

"کوئی بھی سوال جس کا جواب مشکل لگے تو کہنا' مجھے یاد نہیں۔ جس سوال کے جواب میں سچ نہ بولنا ہو تو کہنا' جیسا کہ میں نے اپنے انٹرویو میں کہا تھا..... اور پھر انٹرویو والی لائن دہرا دینا۔"

"یہ غلط بیانی تو ہوگی نا۔ پتہ نہیں مجھ میں اور ہاشم میں کیا فرق رہ جائے گا جب ہم دونوں جھوٹ بولیں گے؟" وہ تلخی سے بولا۔

"محتاط الفاظ کا چناؤ جھوٹ بولنا نہیں ہوتا قانون میں۔ اور ہمیں ایک پورے معاشرے کو ایسے لوگوں سے پاک کرنے کے لئے ان چھوٹے موٹے Lesser Evils کا انتخاب کرنا پڑتا ہے۔"

"صحیح! خود کو بہلانے کو یہ خیال اچھا ہے۔ خیر۔" اس نے سر ہلاتے ہوئے گہری سانس لی۔ "اور اگر اس نے مجھ سے کچھ ایسا پوچھا جو..... جو میں نے آپ کو بھی نہ بتایا ہو' تب؟"

زمر چند لمحے اس کی بھوری آنکھوں میں دیکھتی رہی۔ "تم نے مجھے کیا نہیں بتایا؟"

سعدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرا کر شانے اچکائے۔ "مجھے یاد نہیں۔" اور وہ دونوں ہنس پڑے۔ مگر وہ ذرا فکرمند ہو گئی تھی۔

"وکیل سے کچھ نہیں چھپاتے سعدی! مجھے بتاؤ۔"

وہ آخری گھونٹ بھرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور پھر کپ رکھ کر بولا۔ "جیسا کہ میں نے اپنے انٹرویو میں کہا تھا' مجھے یاد نہیں۔"

"اگر تم سے کچھ ایسا ہوا ہے جو جرم کے زمرے میں آتا ہے تو تم مجھے بتا سکتے ہو۔"

"میں نہیں بتانا چاہتا۔ لیکن اگر اس نے مجھ سے اس بارے میں پوچھا تو مجھے کیا کہنا چاہیے؟"

"سچ بولنا۔ بالکل سچ۔" وہ تاکید کر کے اٹھ گئی۔

جب وہ بیگ اور فون لئے لاؤنج میں آئی تو سامنے کھلتے ندرت کے کمرے میں کھڑی حنین تیار ہوتی نظر آ رہی تھی۔ فارس بھی قریب میں ندرت کے ساتھ صوفے پہ بیٹھا تھا۔ زمر چوکھٹ پہ ٹھہری تو حنین نے اسے دیکھا۔ فوراً بولی۔ "میں آج بھی کورٹ جاؤں گی' پلیز کوئی منع نہیں کرے گا۔ جب آپ وہ جعلی ای میل دکھائیں گی تو مجھے ہاشم کا چہرہ دیکھنا ہے۔" اور وہ جانتی تھی وہ اس موقع پہ اپنے ہاتھ پہ کیا لکھ کر اسے دکھائے گی۔ سوچ کر ہی مزا آتا تھا۔ سوچ کر ہی تکلیف ہوتی تھی۔

"ہاں آ جاؤ۔" پھر فارس کو دیکھا۔ "تم نہیں آؤ گے۔"

"موڈ نہیں ہے۔" اس نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔

زمر نے گہری سانس لی۔ "پتہ نہیں تم کب اس ٹرائل کو سنجیدہ لو گے۔"

"جس دن تم لوگ یہ ٹرائل ہار جاؤ گے!" وہ تپانے والی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔ زمر ہونہہ کر کے باہر نکل گئی۔ ندرت نے خفگی سے اسے دیکھا۔ "منہ سے بد فال نہ نکالا کرو۔ کیوں ہاریں وہ مقدمہ؟ دعا کیا کرو کہ جیت جائیں۔"

"ہاں جی! بالکل۔ ایسا ہی ہوگا۔" وہ برا سا منہ بنا کر چپ ہو گیا۔ ندرت اٹھ گئیں تو بال برش کرتی حنین اس کی طرف گھومی۔ وہ چیز میز پہ رکھے نیم دراز سا آنکھیں چھت پہ مرکوز کیے کسی سوچ میں لگتا تھا۔

"آپ کو لگتا ہے کہ ہم ہاشم کو عدالت میں کبھی مات نہیں دے سکتے؟" فارس نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"مجھے لگتا نہیں ہے' مجھے یقین ہے۔ یہ جو کورٹ میں سارے جج بیٹھے ہوتے ہیں نا' یہ اس بات کا فیصلہ نہیں کرتے کہ کون سچا ہے۔ اس بات کا فیصلہ کرتے ہیں کہ کون زیادہ اچھا جھوٹ بولتا ہے۔"

"مگر بجائے ان کی مخالفت کرنے' ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیے۔"

"تم کرو۔ میں دیر سے آؤں گا۔" اس نے سر جھٹکا۔ باہر کورٹ جانے کی تیاری کا شور مچ چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اتنی شہرت بھی کہاں چاہی تھی خود سے میں نے

اپنے ہی شہر کا ہر شخص عدو میرا ہے

قصرِ کاردار کا لان اس صبح بارونق لگ رہا تھا۔ ملازموں کی آمد و رفت لگی ہوئی تھی۔ شہرین گھوم پھر کر ایونٹ آرگنائزر کو سمجھا رہی تھی کہ اسے کون سی چیز کہاں چاہیے۔ اس کے سنہری بال پچھلے سال کی بہ نسبت لمبے ہو گئے تھے اور اونچی پونی کی صورت گردن کی پشت پہ جھول رہے تھے۔ ماتھے پہ بل لئے اور ناک چڑھائے' وہ سونیا کی سالگرہ کی دعوت کے تمام انتظامات دیکھ رہی تھی۔

اندر ڈائننگ ہال میں بیٹھی جواہرات چمچ دلیے کے پیالے میں ہلاتی مسکراتی نظروں سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اک فاتحانہ نظر اپنے مقابل بیٹھے نوشیرواں پہ ڈالی (ہاشم اب سربراہی کرسی پہ بیٹھتا تھا اور وہ دونوں اس کے دائیں بائیں۔) نوشیرواں سوٹ میں ملبوس' بے دلی

سے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ جواہرات کو پچھلے برس کے یہ دن یاد آئے۔ تب شہری کے لئے کیسے وہ بے چین رہتا تھا۔ شکر یہ بھوت تو اترا۔

''تو آج سعدی یوسف کٹہرے پہ آئے گا اور اس سے جرح کی جائے گی۔'' اس نے سعدی کا ذکر چھیڑا۔ آج بھی نوشیرواں کا حلق تک کڑوا ہوا مگر وہ اظہار نہیں کر سکا۔ آج اسے گولی مارنے کی خواہش بھی نہیں ہوئی۔ گولی مار کے دیکھ لی تھی۔ کوئی فائدہ نہ تھا۔

''ہاں' آج ہم حکایت سعدی سنیں گے۔'' ہاشم نے طنزاً کہا تھا۔

''تمہیں یقین ہے وہ جھوٹ نہیں بولے گا؟''

''وہ سعدی ہے۔ وہ اسٹینڈ پہ جھوٹ نہیں بولے گا۔'' ہاشم فون دیکھتے ہوئے اٹھ گیا تھا۔ ''اور اسے ضرورت بھی نہیں ہے۔'' وہ ڈائننگ ہال عبور کر کے لاؤنج تک آیا تھا جب سامنے سے رئیس آتا دکھائی دیا۔ اس کے تاثرات دیکھ کر ہاشم رک گیا۔ لاؤنج کے کونے میں کرسی پہ بیٹھے لیپ ٹاپ سامنے رکھ کر کام کرتے احمر شفیع کی حسیات بھی ادھر ہی متوجہ ہو گئیں۔

''سر یہ دیکھیں۔ یہ کولمبو سے ہماری ٹیم کو ملا ہے۔'' ہاشم نے کاغذ پکڑتے ہوئے جیب سے عینک نکالی۔ ''کیا ہے یہ؟''

''فصیح کی لاش مل گئی ہے۔ گواہوں کے مطابق وہ سعدی یوسف کو قتل کرنے گیا تھا۔ مگر سعدی نے اسے مار ڈالا۔ فصیح اب صرف غائب نہیں ہے' وہ مر چکا ہے۔''

رئیس کی آواز نے جہاں ہاشم کو چونکایا وہاں دلیہ مزے اور اطمینان سے کھاتی جواہرات کے ہاتھوں سے چمچ پھسلا۔ اس کا رنگ فق ہوا تھا۔ نوشیرواں بھی سر اٹھا کر دیکھنے لگا۔

''ویل از گڈ!'' ہاشم دلچسپی سے کاغذ دیکھ رہا تھا۔ ''لیکن فصیح کو اسے زندہ گرفتار کرنے کا حکم تھا اس نے اسے مارنے کی کوشش کیوں کی؟''

''ہارون صاحب سے بات کی ہے۔ وہ خود شاکڈ ہیں۔ فصیح ان کا دایاں ہاتھ تھا۔ وہ کبھی بھی اس کو موت کی طرف نہیں دھکیلیں گے۔''

''پھر فصیح کیوں مارنا چاہتا تھا سعدی کو؟ سیلف ڈیفنس کے علاوہ تو سعدی اسے کبھی قتل نہیں کرے گا۔'' وہ سر جھکائے کاغذ پڑھتا سوچتے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ''کوئی ٹھوس ثبوت ہے کہ فصیح کو سعدی نے ہی مارا ہے؟''

''کافی شاپ کی مالکن نے بتایا ہے کہ وہ اس کے ساتھ نکلا تھا۔ سی سی ٹی وی فوٹیج میں بھی فصیح اس کو یرغمال بنا کر آگے لے جاتا دکھائی دیا تھا۔ مگر بعد میں سعدی زندہ سلامت واپس آ گیا اور فصیح کی مسخ شدہ لاش کھائی سے ملی۔'' احمر چہرہ اٹھائے ہکا بکا سا دیکھ رہا تھا۔

دور بیٹھی جواہرات بے اختیار اپنی گردن کی پشت ہاتھ سے دبانے لگی۔ پھر اس نے سیل اٹھایا اور آبدار کو میسج لکھا۔ ''مجھے میری امانت آج رات تک مل جانی چاہیے۔''

ہوا کے دوش پہ وہ پیغام اڑتا ہوا..... پہاڑ... جھیل... سرسبز میدان عبور کرتا..... ہارون عبید کی رہائش گاہ کی دیواروں کے پار گھسا اور آبدار کی بیڈ سائیڈ ٹیبل پہ رکھے موبائل کو چمکا گیا۔

تھرتھراہٹ سے اس نے لحاف ہٹایا۔ سرخ سلکی بال تکیے پہ بکھرے ہوئے تھے۔ وہ ان کو چہرے سے ہٹاتی اٹھی اور موبائل ہاتھ میں

لے کر دیکھنے لگی۔ پیغام پڑھ کر اس نے کچھ نہیں لکھا۔ جیسے توجہ ہی نہ دی ہو۔ عادتاً کونٹیکٹ لسٹ کھولی۔ اور عادتاً فارس کے نام پہ کلک کیا۔ اس کا last seen دیکھا۔ اندازہ لگایا کہ وہ اب کیا کر رہا ہوگا اور مسکرا کر فون رکھنے لگی۔ یکدم ایک خیال آیا۔ بلی سی آنکھوں میں چمک ابھری۔ لب دانتوں میں دبائے اس نے پیغام لکھا۔

''یاد ہے فارس میں نے آپ کو بتایا تھا کہ ملکہ نے دونوں قیدیوں کے قتل کا حکم دیا ہے۔ میرے پاس ثبوت ہے۔ اگر چاہیے تو آج ڈنر پہ میں آپ کا انتظار کروں گی۔'' اور پیغام بھیج دیا۔ لبوں پہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ اب تو وہ ضرور آئے گا۔ اسے یقین تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میں اپنے روٹھے ہوئے قبیلے کی سازشوں میں گھرا ہوا ہوں

تم اجنبی ہو تو میرے آنگن کی وحشتوں سے ڈرے رہنا

کورٹ روم میں اواخر اپریل کی دھوپ کھڑکیوں سے چھن کر اندر گر رہی تھی۔ سعدی یوسف کٹہرے میں کھڑا تھا اور زمر اس کے سامنے تھی ....چند قدم نیچے ....اس سے سوالات پوچھ رہی تھی۔

''پلیز ریکارڈ کے لیے اپنا نام بتائیے۔''

''سعدی ذوالفقار یوسف خان۔''

''آپ کہاں پیدا ہوئے تھے؟'' وہ سنجیدگی سے رسمی کارروائی دہرا رہی تھی۔ ہاشم خاموشی سے اسے سن رہا تھا۔ اس کے ساتھ رکھی احمر کی کرسی خالی تھی۔

باہر کچہری کے ہجوم میں ایک راہداری میں احمر آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ تیز تیز۔ ہجوم میں بالکل گم۔ احتیاط سے آگے پیچھے بھی دیکھ لیتا تھا۔ پھر تیزی سے ایک موڑ مڑ کر وہ کمرے میں داخل ہوا۔ یہ ایک خالی کورٹ روم تھا۔ کرسیاں اور میزیں الٹی سیدھی پڑی تھیں۔ اندر آتے ہی اس نے دروازہ بند کیا اور پھولے سانس کے ساتھ واپس گھوما۔ سامنے ایک کرسی پہ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے فارس بیٹھا تھا۔ منہ میں مسلسل کچھ چبا رہا تھا۔ سر سے پیر تک ہانپتے ہوئے احمر کا جائزہ لیا۔

''اتنی کیا ایمرجنسی تھی انٹی؟ تمہارے مالک آس پاس ہی ہیں۔''

''ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔ بلکہ دو مسئلے۔'' وہ کرسی کو فارس کے سامنے رکھتا اس پہ بیٹھا اور آگے کو جھک کر ہاتھ باہم پھنسائے پریشانی سے بتانے لگا۔

''کیا ہوا ہے؟'' فارس نے گہری سانس لی۔

''ہاشم کے پاس عدالت میں پیش کرنے کے لیے خطرناک مواد ہے۔''

فارس نے ہاتھ جھلا کر گویا ناک سے مکھی اڑائی۔ ''عدالت کی پرواہ کسے ہے؟''

''غازی تمہیں اس کیس کو سیریس لینا ہوگا۔ ہاشم کے پاس ثبوت ہے کہ سعدی نے دو قتل کیے ہیں۔ اور کچھ دیر بعد وہ عدالت میں سعدی سے یہ بات پوچھے گا۔''

فارس کا مسلسل ہلتا منہ رکا۔ وہ ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھا۔ ''دو قتل؟'' اسے دھچکا لگا تھا۔

''ہارون عبید کے ملازم فصیح کی لاش مل گئی ہے۔ عینی شاہدین نے سعدی کو اس کے ساتھ دیکھا تھا۔ اسے سعدی نے مارا ہے۔''

''ایسا نہیں.....ہو سکتا۔'' وہ شدتِ حیرت سے ہکلایا۔

''ایسا ہو چکا ہے۔ تم لوگوں کو سعدی کو یہ بات بتانی ہوگی تاکہ وہ ذہنی طور پہ تیار رہے۔''

''دو قتل!'' وہ اب بھی بے یقینی سے دہرا رہا تھا۔ پھر نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ میرے جانے کے بعد ہوا ہوگا۔ مجھے اسے وہاں نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔''

''اور تم نے اسے مشورہ دیا تھا افغانستان کے راستے سے ملک میں آنے کا؟''

فارس بالکل ساکن رہ گیا۔

''تمہیں کیسے پتہ؟''

کسی نے سعدی کا پاسپورٹ ہاشم کو بھیجا ہے۔ اس پہ سعدی کا نام حیدر ہمایوں خان ہے۔ اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ افغانستان کے راستے سے آیا ہے واپس۔''

فارس بے یقینی سے نفی میں سر ہلانے لگا۔ ''یہ ناممکن ہے۔ سعدی اپنا پاسپورٹ ڈسپوز آف کر چکا ہے۔''

''کسی نے اس کے پاسپورٹ کے ٹکڑے جمع کر کے ہاشم کو بھیج دیے ہیں۔ افغانستان کے ذریعے آنے کا فیصلہ درست تھا' لیکن اب یہ چیز اس کو دہشت گرد بھی ثابت کر سکتی ہے۔ تمہیں اس کیس کو سیریس لینا ہوگا۔''

''یہ نہیں ہو سکتا۔'' وہ اب اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ بار بار پیشانی چھوتا تھا۔ نفی میں سر ہلاتا تھا۔ ''سعدی کا پاسپورٹ ان کے ہاتھ نہیں لگ سکتا۔ سعدی نے خود مجھے بتایا ہے کہ وہ اسے ختم کر چکا ہے۔ سعدی ایسا غیر ذمے دار نہیں ہے۔''

''مگر اب ایسا ہو چکا ہے۔ میں نے خود وہ پھٹا ہوا پاسپورٹ دیکھا ہے۔ اور ہاشم نے مجھے اس کا میسج دکھا کر اسے ٹریس کرنے کا کہا مگر میں نہیں کر سکا۔ اس شخص کا نمبر مکمل طور پہ انکرپٹڈ ہے تمہیں اب کچھ کرنا ہوگا۔ کیونکہ کوئی ہے جو اسے سعدی کے بارے میں معلومات دے رہا ہے۔ اور یہ تمہارے قریب کا کوئی بندہ ہے۔''

فارس نے چونک کر اسے دیکھا۔ ناگواری سے اس کے ماتھے پہ بل پڑے۔ اسے جیسے برا لگا تھا۔ ''ہمارے قریب ایسا کوئی بندہ نہیں ہے جو ہمارے ساتھ یوں دھوکہ کرے۔''

''سب کے قریب دھوکے باز ہوتے ہیں۔ میں بھی تو ہاشم سے اس وقت دھوکہ ہی کر رہا ہوں نا۔''

''نہیں۔'' اس نے قطعیت سے نفی میں سر ہلایا۔ وہ شدید ڈسٹرب لگ رہا تھا۔ ''ہمارے قریب ایسا کوئی نہیں ہے۔ یہ ہاشم کا کوئی بندہ ہے۔''

''مسز زمر نے مجھے بتایا تھا کہ دو ماہ پہلے تمہاری بھانجی کے کمرے سے وہ میموری کارڈ چوری ہو گیا تھا جس میں میرا اعمال نامہ موجود ہے۔''

''وہ یقیناً کاردارز کا بھیجا ہوا کوئی بندہ ہو گا۔ میں نے بہت ڈھونڈا مگر کوئی سراغ نہیں ملا۔ لیکن میں نہیں مان سکتا کہ ہمارے گھر میں سے کوئی ایسا کر سکتا ہے۔''

''ہاں، ہو سکتا ہے یہ باہر کا کوئی بندہ ہو۔ مگر میں جاننا چاہتا ہوں کہ اسے کیسے پتہ چلا ہو گا کہ کارڈ تمہاری بھانجی نے کہاں رکھا ہے۔'' احمر نے گہری سانس لے کر کہا۔ ''حنین نے کارڈ کی فائلز دیکھتے ہی مجھے کال کی تھی۔ کاردارز کے علاوہ بھی یقیناً کوئی تمہارے فون ٹیپ کر رہا ہو گا۔ اس کال کے بعد ہو سکتا ہے کہ اس شخص نے حنین کے لیپ ٹاپ کو rat کر کے اس کا ویب کیمرہ آن کر لیا ہو۔ آج کل یہ بہت آسان ہے۔ اور اس نے دیکھ لیا ہو کہ حنین اپنے کمرے میں وہ کارڈ کہاں رکھ رہی ہے۔''

اب کے فارس نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔ ''کہیں یہ سب تم تو نہیں کر رہے۔'' پھر سر سے پیر تک اسے دیکھا۔ ''حنین نے کہا تھا اس سرخ مفلر والے آدمی کا قد چھوٹا تھا۔''

''اللہ کو مانو۔ مجھے یہ سب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔'' احمر برا مان گیا تھا۔ ''اور اگر میں یہ کرتا تو پھر اپنی جان پہ کھیل کر تمہیں آگاہ کرنے کیوں آتا؟ سعدی کہتا ہے کہ اس کی یو ایس بی کی فائلز ڈیلیٹ کر دی گئیں، اب اس میں صرف فروزن پڑی ہے۔ سعدی کا ائیرپورٹ سے پیچھا کیا جاتا ہے اور اس کا پاسپورٹ چوری کیا جاتا ہے۔ حنین کے کمرے سے ایک کارڈ چوری ہو جاتا ہے۔ غازی، یہ تمہارے قریب کا کوئی بندہ ہے۔'' وہ پر یقین تھا۔

فارس کے کان سرخ ہو گئے اور وہ شدید بے بس اور غصے میں نظر آ رہا تھا۔ ''وہ جو بھی ہے میں اسے ڈھونڈ لوں گا اور میں واقعی اس کی جان لے لوں گا۔''

''اور کیس کا کیا کرو گے؟ نوشیرواں کو سزا دلوانی ہے یا نہیں؟'' فارس چند لمحے چپ رہا، پھر گہری سانس لے کر ایک عزم سے بولا۔

''پہلے مجھے اس کیس میں دلچسپی نہیں تھی لیکن اب.... اگر ہاشم اس طرح کے اوچھے ہتھکنڈوں پہ اتر آیا ہے تو ٹھیک ہے۔ ہم سب مل کر اس کیس میں اس کو فل فائٹ دیں گے۔''

''گڈ!'' احمر نے مسکرا کر اس کا شانہ تھپکا۔ فارس نے اپنا کندھا بیزاری سے پیچھے کیا۔

''اب جاؤ۔ تمہاری مالکن تمہیں مس کر رہی ہو گی۔'' احمر جاتے جاتے مڑا اور رک کر اسے دیکھا۔

''ظاہر ہے۔ ملازم پیشہ آدمی ہوں۔ مگر سوری سوری.... تم جیسے جاب لیس فارغ لوگ کیا جانیں کہ ملازمت کیا چیز ہوتی ہے۔''

"جا۔۔۔جا۔دماغ نہ خراب کر میرا۔" اس نے غصے سے دروازے کی طرف اشارہ کیا تھا۔وہ شدید مضطرب نظر آ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چلے جو ذکر تو فرشتوں کی پارسائی کا

تو زیرِ بحث مقامِ بشر بھی آتا ہے

"your witness" زمر کٹہرے کے سامنے سے نیچے اتر آئی تھی اور ہاشم کو اشارہ کیا تھا۔اب گواہ اس کا تھا۔جیسے چاہے جرح کرے۔

جب وہ نیچے آ کر بیٹھی تو پیچھے سے کسی نے اسے ٹہوکا دیا۔اس نے مڑ کر دیکھا۔پچھلی نشستوں پہ فارس آ بیٹھا تھا اور اس کے کہنے پہ حنین اٹھ کر جنگلے تک آئی تھی اور پین سے زمر کے کندھے کو چھو کر اس طرف توجہ دلا رہی تھی۔زمر نے فارس کو دیکھا۔وہ قدرے مضطرب سا اسے اشارے میں کچھ بتا رہا تھا۔زمر نے لبوں پہ انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور واپس گھوم گئی۔

"چڑیل۔" وہ بے بسی سے بڑبڑایا تھا۔زمر پرواہ کیے بغیر سنجیدگی سے سامنے دیکھ رہی تھی جہاں ہاشم سعدی کے مقابل مگر چند قدم نیچے کھڑا تھا۔مسکراتے ہوئے اس نے چند کاغذ لہرائے۔

"کیا آپ کمار نامی اس سنہالی باشندے کو جانتے ہیں؟ یا کیا آپ فصیح نامی اس پاکستانی باشندے کو جانتے ہیں سعدی یوسف؟ کیونکہ ہمارے پاس مصدقہ اطلاعات ہیں کہ کمار کو زہر کا ٹیکہ لگا کر اور فصیح کو گردن توڑ کر آپ نے قتل کیا ہے۔کیا آپ اللہ کو حاضر ناظر جان کر اپنے انٹرویو کا حوالہ دیے بغیر بتائیں گے کہ آپ ان دو لوگوں کے قاتل ہیں یا نہیں؟"

بہت سی سانسیں ایک ساتھ رکی تھیں۔حنین بالکل سن ہو گئی۔اسامہ شل ہو گیا۔احمر نے فکرمندی سے گہری سانس لی۔جواہرات مسکرائی۔نوشیرواں بے چین ہوا۔فارس نے اضطراب سے پہلو بدلا۔ایسے میں زمر نے گردن موڑ کر فارس کو دیکھا اور پلکیں جھپک کر اسے تسلی دی۔

صرف وہ پرسکون تھی یا سعدی جو کٹہرے میں گردن تنے کھڑا تھا۔اس کے چہرے پہ اطمینان تھا۔پھر وہ دھیرے سے بولا۔

"کیا آپ اپنا سوال دہرائیں گے کاردار صاحب؟"

کمرہ عدالت میں پھر سے مقدس سا سناٹا چھا گیا۔

"سعدی یوسف' کیا آپ نے ان دو افراد کا قتل کیا ہے؟" ہاشم نے تصاویر پھر سے دکھاتے ہوئے چبا چبا کر پوچھا۔زمر کھڑی ہوئی۔

"آبجیکشن یور آنر۔اس سوال کا کیس سے کیا تعلق ہے؟"

"تعلق ہے یور آنر۔ہمیں عدالت کو دکھانا ہے کہ الزام لگانے والا خود کیسے کردار کا حامل ہے۔"

"یور آنر اگر وکیل دفاع کو سعدی یوسف پہ قتل کا الزام لگانا ہے تو اس کے لئے وہ الگ سے پٹیشن دائر کر سکتے ہیں۔لیکن قانونِ شہادت کے تحت وہ گواہ کو ڈس کریڈٹ کرنے کے لئے اس کے اوپر بغیر ثبوت کے ایسے الزام نہیں لگا سکتے۔" وہ بلند آواز میں بولی تھی۔

جج صاحب نے جواباً ہاشم کو دیکھا۔ وہ فوراً بولا۔

"یور آنر... قانون شہادت کے تحت اگر گواہ کا کردار کیس کی سچائی جاننے کے لئے ضروری ہے تو ایسے سوال پوچھے جا سکتے ہیں۔ مسز زمر کو قانونِ شہادت دہرانے کی اشد ضرورت ہے۔"

"یور آنر' کیا ہمارا قانون آرٹیکل تیرہ میں یہ نہیں کہتا کہ کسی شخص سے زبردستی self-incriminating سوال نہیں پوچھا جا سکتا؟" وہ بحث کر رہی تھی۔ (یعنی ایسا سوال جس کے جواب میں اس کو اعتراف جرم کرنا پڑے۔) ہاشم دوبدو بولا۔

"مگر یور آنر' وہ ملزم کی دفعہ ہوتا ہے۔ جیسے نوشیرواں کے پاس خاموش رہنے کا حق ہے۔ سعدی یوسف اس کیس میں ملزم نہیں ہے۔ گواہ ہے۔ اور جہاں تک گواہ کی بات ہے تو قانونِ شہادت آرٹیکل 9 کے تحت کسی گواہ کو self-incrimination کے باجود خاموشی کا حق نہیں ہے۔ گواہ جواب دے گا۔ بھلے جواب میں اسے اعتراف جرم ہی کرنا پڑے۔ گواہ کو جواب دینا ہے۔"

"مگر یور آنر..." زمر مزید کچھ کہنے لگی تھی کہ جج صاحب نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔

"سعدی یوسف ملزم نہیں ہے' گواہ ہے' اور گواہ کا کردار جاننا واقعی ضروری ہے۔ اس لئے میں چاہوں گا کہ سعدی یوسف جواب دے۔ اعتراض رد کیا جاتا ہے۔" انہوں نے سعدی کو اشارہ کیا۔ زمر گہری سانس لے کر بیٹھی۔ حنین نے بے اختیار دل پہ ہاتھ رکھا۔ فارس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ مٹھی لبوں پہ جمائے وہ فکرمندی سے سامنے کٹہرے سعدی کو دیکھ رہا تھا۔

سعدی نے گہری سانس لی اور پھر وہ الفاظ ادا کیے۔

"میں نے کسی کو قتل نہیں کیا۔"

"اور یہ بات آپ اللہ کو حاضر ناظر جان کر کہتے ہیں؟" ہاشم نے آواز میں تعجب بھر کے دہرایا۔

"جی ہاں۔ میں اللہ کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں نے ان دونوں آدمیوں کو قتل نہیں کیا۔"

"آپ کو معلوم ہے perjury کیا ہوتی ہے سعدی یوسف؟ کورٹ میں جھوٹ بولنا کتنا بڑا جرم ہے؟" ہاشم اب تاسف سے پوچھ رہا تھا۔

"جی مجھے معلوم ہے۔ پرجری وہ ہوتی ہے جو ہاشم تم اپنے ہر گواہ سے یہاں کرواؤ گے مگر میں جھوٹ نہیں بول رہا' اس نے اسی اعتماد سے چہرہ اٹھا کر جج صاحب کو دیکھا۔ "میں نے اپنی پوری زندگی میں کسی انسان کو قتل نہیں کیا۔"

ہاشم نفی میں سر ہلاتا کاغذات لے کر جج کے چبوترے کی طرف آیا۔ "یور آنر' یہ دونوں قتل سعدی یوسف نے ہی کیے ہیں اور..." مگر سعدی کی بات ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"میں نے ان دو انسانوں کی جان ضرور لی ہے یور آنر! مگر میں نے انہیں قتل نہیں کیا۔"

بہت سی سانسیں ایک دفعہ بھر رکی تھیں۔ چند لمحے کو تو ہاشم بھی سناٹے میں رہ گیا۔ جج صاحب ذرا مزید توجہ سے ہو کر بیٹھے۔ وہ اب پوری

طرح سے سعدی کی طرف متوجہ تھے۔

"یور آنر کمار نامی گارڈ نے مجھے قتل کرنا چاہا تھا قید کے دوران۔ میں نے اپنے بچاؤ کے لئے اس کو مارا تھا۔ فصیح بھی مجھے قتل کرنے آیا تھا اور میں نے اپنے بچاؤ کے لئے اس کو مارا۔ یور آنر سیلف ڈیفنس کی عالمی تعریف کے مطابق یہ قتل نہیں ہوتا۔ دین میں یہ گناہ نہیں ہوتا۔ سو میں نے گناہ کیا ہے نہ قتل۔ میں نے صرف ان کو مارا ہے۔ میں جھوٹ نہیں بولوں گا مگر میں ان کا قاتل نہیں ہوں۔ اپنی جان بچانے کے لئے مجھے ان کو مارنا تھا۔ یہ میرا حق تھا۔"

کمرہ عدالت میں عجیب سی خاموشی چھا گئی۔ ہاشم نے بہت بار لب کھولے پھر بند کیے۔ اسے ایسے جواب کی توقع نہ تھی۔ نوشیرواں بالکل سن سا سعدی کا چہرہ ٹکر ٹکر دیکھ رہا تھا۔ (وہ کیسے اتنے لوگوں کے سامنے کسی کو مارنے کا اعتراف کر سکتا ہے؟ اتنا بہادر وہ کیسے تھا؟)

بالآخر ہاشم جج کی طرف متوجہ ہوا۔

"مگر ہم کیسے مان لیں کہ یہ سیلف ڈیفنس ہی تھا۔ یور آنر سعدی یوسف ایک پاکستانی شہری ہے اور وہ دنیا میں جہاں کہیں بھی جرم کرے گا پاکستان پینل کوڈ کا اطلاق اس پہ ہوگا۔ ملک واپس آنے پہ قانون کے مطابق اس سے تفتیش کی جائے گی اور اگر جرم ثابت ہو گیا تو سزا بھی سنائی جائے گی۔ یہ سیلف ڈیفنس تھا یا نہیں اس کا فیصلہ بھی عدالت کرے گی۔ یور آنر میری معزز عدالت سے استدعا ہے کہ سعدی یوسف کے اس اعتراف جرم کی بنا پہ ایک جے آئی ٹی تشکیل دی جائے جو اس کے ان جرائم کی تفتیش اور تحقیق کرے اور پھر اسے پراسیکیوٹ کیا جا سکے۔"

"یور آنر!" زمر مسکرا کر کھڑی ہوئی اور چبوترے کی طرف بڑھی۔ "میرا خیال ہے کاردار صاحب کو اپنا کرمنل لاء دہرانے کی اشد ضرورت ہے۔"

سب کی نگاہیں سعدی سے ہو کر زمر کی طرف اٹھیں۔

"ایکسکیوزمی؟" ہاشم نے ناگواری سے پوچھا تھا۔

زمر نے مسکرا کر کندھے اچکائے۔ "قانون شہادت کے جس آرٹیکل 9 کو مدنظر رکھتے ہوئے عدالت نے گواہ کو خاموش نہ رہنے کا حکم دیا ہے جناب عالی اسی آرٹیکل 9 میں لکھا ہے کہ گواہ ... ملزم نہیں گواہ .... کو خاموشی کا حق حاصل نہیں ہے چاہے اس کا بیان اس کے اپنے وجود کو ملوث جرم ظاہر کرے ....." اس نے مسکرا کر ہاشم کی آنکھوں میں دیکھتے وقفہ دیا۔ "بشرطیکہ اس بیان کی بنیاد پہ ... اگر دوسرے کوئی ثبوت یا گواہ نہ ہوں تو .. اس شخص کو prosecute نہیں کیا جا سکتا۔" پھر جج کی طرف چہرہ کر کے فاتحانہ انداز میں بولی۔ "یور آنر ہمارا قانون کہتا ہے کہ گواہ کے اپنے اعتراف جرم پہ اس کو قانونی حفاظت حاصل ہے۔ ہاشم کاردار یا کسی کے پاس ایسے کوئی ثبوت یا گواہ نہیں ہیں جو سعدی یوسف کو مجرم ظاہر کریں۔ سعدی یوسف کے خلاف کہیں بھی کسی بھی قسم کا کوئی کیس اس ایک اعترافی بیان پہ نہیں کھولا جا سکتا۔ دراصل ہاشم کاردار اس بات کو صرف ایک اسکینڈل بنا کر سعدی کو ڈس کریڈٹ کرنا چاہتے ہیں تو اس لئے میں چاہوں گی کہ معزز عدالت کاردار صاحب

کو یہ یاد دلائے کہ عدالتی حکم نامے کے تحت کئی ہفتے سے اس ٹرائل پہ میڈیا میں بحث منع ہو چکی ہے اس لئے وہ ان باتوں کو میڈیا پہ نہیں اٹھا سکتے۔"

ہاشم کا چہرہ بے بسی بھرے غصے سے متغیر ہو چکا تھا۔"یور آنر ایک آدمی اپنے منہ سے دو بندے مارنے کا اعتراف کر رہا ہے اور...."

"نہ نہ نہ!" جج صاحب نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کی بات کاٹی۔"مسز زمر کا پوائنٹ ویلڈ ہے۔ گواہ کو پروٹیکشن حاصل ہے' آپ نے اپنے منہ سے کہا ہے کہ سعدی یوسف اس کیس میں گواہ ہے۔ ملزم نہیں۔ اگر نوشیرواں کاردار اپنے منہ سے اعتراف جرم کرتا تو عدالت اس کو پھانسی کی سزا فوراً سنا دیتی کیونکہ وہ اس کیس میں ملزم ہے۔ سعدی یوسف گواہ ہے اور گواہ کو قانونی حفاظت حاصل ہے۔"

"مگر یور آنر کم از کم...."

"آپ کو کوئی اور سوال پوچھنا ہے کاردار صاحب؟" اب کے جج صاحب نے تلخی سے پوچھا تھا۔ ہاشم چند لمحے غم و غصے سے وہیں کھڑا رہا۔ پھر گہری سانس لی اور سر جھٹکتا سعدی کے سامنے آیا۔

زمر مسکرا کر مڑی اور ایک چٹ جنگلے کے پیچھے کرسیوں پہ بیٹھی حنین کی طرف بڑھائی۔ حنہ جس کو اب سانس آئی تھی' اس نے وہ چٹ فوراً سے فارس کو پاس کی جو بظاہر تنے تاثرات کے ساتھ بیٹھا تھا مگر اعصاب اب ڈھیلے پڑ چکے تھے۔ اس نے کاغذ کھولا۔ اندر زمر نے لکھا تھا۔

"ہز جینئز ڈنیئر سٹ.... یونیورسٹی کلاسز میں ہر وقت مجھے دیکھنے اور میری محبت میں گرفتار رہنے کی بجائے اگر تھوڑا بہت پڑھ لیا ہوتا تو آج یہ قانون معلوم ہوتا تمہیں.... چچ چچ!"

فارس نے استغفراللہ کہہ کر سر جھٹکا تھا۔ منہ کا ذائقہ تک کڑوا ہو گیا تھا۔ ہاز وبڑھا کر حنین کا قلم اچکا اور نیچے کچھ لکھا۔ پھر کاغذ تہہ کر کے آگے پاس کیا۔ ادھر ہاشم کی آواز گونج رہی تھی۔

"سونیا کی پچھلی سالگرہ پہ یعنی ایک سال پہلے کیا یہ درست ہے کہ آپ سب سے نظر بچا کر میرے کمرے میں گئے تھے؟"

"یہ درست نہیں ہے۔ میں نظر بچا کر نہیں' سب کے سامنے کھلم کھلا گیا تھا۔"

"کیوں؟"

زمر تک کاغذ پہنچا تو اس نے اسے کھولا۔ آدھی توجہ سعدی کی طرف تھی۔

"میں نے قانون پڑھ کے کرنا ہی کیا ہے؟ دنیا جہان کے لوگوں کو انصاف دلانے کے لئے آپ موجود ہیں نا۔ میں تو آرام سے ڈنر کرنے جا رہا ہوں اپنے سے پیچھے بیٹھی خوبصورت لڑکی کے ساتھ۔ وہ کہہ رہی ہے کہ اسے ایک ثبوت دینا ہے مجھے۔" زمر نے اب کے گردن موڑ کر اسے گھورا تو آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ فارس نے آنکھوں میں سادگی لئے شانے اچکا دیے۔ زمر نے "ہونہہ" کر کے سر واپس پھیر لیا۔ ادھر سعدی کہہ رہا تھا۔

"میں باتھ روم گیا تھا' اور چند منٹ میں واپس آ گیا تھا۔"

"تو آپ میرے گھر سے کچھ چرا کر نہیں نکلے تھے؟"

"میں نے کوئی نیکلیس یا زیور نہیں چرایا تھا۔ نہ کوئی نقدی وغیرہ۔"

"سعدی یوسف خان' مجھے صرف اتنا بتائیں کہ جب آپ نے گھر جا کر اپنے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا تو اس میں سے کوئی نیکلیس نکلا یا نہیں؟"

"چونکہ میں نے کوئی نیکلیس نہیں چرایا تھا اس لئے میں نے جب کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا تو اس میں سے کوئی نیکلیس نہیں نکلا۔" اس نے مزے سے دہرا دیا۔ حنین نے گہری سانس لی۔ وہ سچ کہہ رہا تھا۔ نیکلیس حنہ نے اس کے کوٹ سے نکالا تھا' خود اس نے نہیں۔

"آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ خیر میں کیا کر سکتا ہوں۔ چلئے۔ یہ تصویریں دیکھئے' سعدی۔" ہاشم اب اس کو پروجیکٹر اسکرین پہ چند شاٹس دکھا رہا تھا۔ "یہ ہارون عبید کے اس ہوٹل کی بیسمنٹ کی تصاویر ہیں جہاں مبینہ طور پہ آپ کو قید رکھا گیا' بقول آپ کے' لیکن جب میڈیا کے نمائندے وہاں گئے تو یہاں جالے لگے تھے اور برسوں کا کاٹھ کباڑ پڑا تھا۔ اس بارے میں کیا کہیں گے؟" سعدی نے ایک نظر اسکرین کو دیکھا۔

"میرے یہاں سے نکلنے کے قریباً ایک ماہ بعد میڈیا کے نمائندے یہاں گئے۔ ایسا سیٹ اپ کرنے لئے ایک دن بھی بہت ہوتا ہے۔"

"تو آپ ابھی بھی مصر ہیں کہ نوشیرواں کاردار نے آپ کو یہاں قید رکھا؟"

ہاشم نے مصنوعی تعجب ظاہر کیا۔ وہ کنکھیوں سے زمر کو دیکھتا رہا اس کے اٹھ کر objection چلانے کا انتظار کرتا رہا' مگر وہ اطمینان سے بیٹھی قلم دانتوں میں دبائے رہی۔

اس نے اپنا گواہ تیار کر کے بھیجا تھا۔

"ذرا اس تصویر کو زوم کیجئے کاردار صاحب۔ یہ اس طرف سے۔" سعدی اطمینان سے انگلی اٹھا کر کہہ رہا تھا۔ ہاشم نے سر کو خم دیا اور متعلقہ جگہ سے زوم کیا۔

"یہ کونے میں دیوار پہ۔۔۔" سعدی اشارہ کر کے بتانے لگا۔ "جی بالکل ان گندے کاٹھ کباڑ کے ڈبوں کے پیچھے دیوار پہ چند لکیریں نظر آ رہی ہیں۔ عدالت میں جمع کروائی تصاویر میں بھی یہ لکیریں واضح ہیں۔ ہارون عبید کے آدمیوں نے ان کو اس لئے چھوڑ دیا کہ شاید یوں یہ دیوار مزید خستہ لگے مگر یور آنر یہ پوری 247 لکیریں ہیں۔ 21 مئی سے 22 جنوری تک کے دن میں نے گن رکھے تھے۔ میں روز ایک لکیر کا اضافہ کرتا تھا۔ آپ ان کو گنوا کر دیکھ لیں۔ یہ اتفاق نہیں ہو سکتا کہ یہ بھی اتنی ہی ہوں جتنے دن میں قید میں رہا ہوں۔" وہ اعتماد اور سکون سے بول رہا تھا۔ ہاشم ایک دم لاجواب ہو گیا تھا۔ جج صاحب اب دلچسپی سے اس تصویر کو دیکھ رہے تھے۔ پھر انہوں نے فائل میں ایک نقطہ نوٹ کیا۔

"سعدی یوسف آپ کا کہنا ہے کہ آپ کو کاردارز کے آدمی نے پاسپورٹ دیا اور یوں آپ ملک واپس آ گئے۔" ہاشم نے موضوع بدلا۔

''جی' کاردارز میں سے ہی کوئی تھا۔''

حنین نے فوراً سے فارس کو دیکھا۔ (آدھا کاردار۔) وہ ڈھٹائی سے سامنے دیکھتا رہا۔

''لیکن آپ کے پاسپورٹ کے مطابق آپ افغانستان میں بھی رکے تھے۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ وہاں آپ کا کیا کام تھا؟'' اور یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی فائلوں کے درمیان سے ایک شفاف پیکٹ نکالا اور اوپر جج صاحب کے سامنے رکھا۔ سعدی بالکل سُن رہ گیا۔ پاسپورٹ ٹکڑے ٹکڑے تھا۔ یہ وہی تھا جو اس نے پھینکا تھا۔ اب کے ہاشم نے فاتحانہ نظروں سے سعدی کو دیکھا۔

''کیا آپ کے افغان طالبان گروہوں سے تعلقات ہیں سعدی یوسف اور یہ سارا ڈرامہ آپ فساد پھیلانے کو کر رہے ہیں؟''

''ایسا کچھ نہیں ہے۔'' سعدی بولا تو اس کی آواز غصے سے کانپی تھی۔

''آبجیکشن یور آنر۔ اس بات کا کیس سے کیا تعلق؟'' وہ فوراً کھڑی ہوئی۔

''اوور رولڈ۔ تعلق تو ہے۔'' جج صاحب نے ہاتھ اٹھا دیے۔

''یور آنر سعدی یوسف نے کہا کہ ایسا کچھ نہیں ہے۔ اگلی سماعت پہ دفاع اس بات کے خلاف rebuttal ثبوت پیش کرے گا جو یہ ثابت کریں گے کہ سعدی یوسف طالبان کے آلہ کار کے سوا کچھ نہیں ہے۔'' ہاشم نے سرد مہری سے جج صاحب کو اطلاع دی۔

''یور آنر میں دہشت گرد نہیں ہوں۔ میں نیسکام کا ایک انجینئر ہوں۔ میرے ساتھ زیادتیاں ہوئی ہیں۔'' وہ پھٹ پڑا تھا۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ ''میں انصاف مانگنے آیا ہوں اس عدالت میں' یہ مجھے ایسے دہشت گرد ڈیکلئیر کیسے کر سکتے ہیں؟'' اس کی آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں۔ بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ زمر نے اسے کٹہرے سے اترنے کا اشارہ کیا۔ ہاشم نظر انداز کر کے اب اختتامی فقرے دہرا رہا تھا۔ وہ دل برداشتہ سا وہاں سے اترا۔

فارس اپنی نشست سے گھوما اور مڑ کر آبدار کو دیکھا۔

''آپ کے پاس واقعی کچھ ہے مجھے ڈنر پہ دینے کے لیے؟'' سنجیدگی سے پوچھا۔ وہ تفاخر سے مسکرائی۔

''جی۔ ایک ٹائی پن کیمرے میں ریکارڈ مسز کاردار کا وہ حکم نامہ جو ثابت کرتا ہے کہ فصیح سعدی کو مارنے گیا تھا۔ چاہیے تو جو وقت اور جگہ میں سجیسٹ کر رہی ہوں ادھر آ جائے گا۔ میں دو لوگوں کی ٹیبل بک کروا چکی ہوں۔''

''مجھے اپنی زبان دیں کہ آپ اسے ڈنر پہ ساتھ لائیں گی۔''

''وعدہ!'' اس کی آنکھیں بہت محبت سے چمکی تھیں۔ وہ خاموش رہا۔

کورٹ روم سے سب سے پہلے آبدار نکلی تھی۔ پھر کاردارز۔ نوشیرواں نکلتے ہوئے بالکل شل سا کہہ رہا تھا۔ ''اس نے دو قتل کا اعتراف کیا مگر اسے کوئی نہیں پکڑ سکتا۔ کیا پاگل پن ہے یہ؟''

''سوری سر مگر اسے Law of the land کہتے ہیں۔'' ہمر اس کو سمجھاتا ہوا باہر جا رہا تھا۔ ''یہ اس لیے ہوتا ہے تاکہ پولیس یا کوئی

اور کسی سے جبری اعتراف جرم نہ کروا سکے۔اور....'' ان کی آوازیں مدھم ہوتی گئیں۔

وہ پانچوں ایک ساتھ باہر نکلے تھے۔راہداری میں تیز بہتے ہجوم کے باجود وہ رکے کھڑے تھے۔

''آپ نے بھائی.....وہ لوگ....'' حنین کہتے کہتے رک گئی۔یہ وقت نہیں تھا ایسی باتوں کا۔کیونکہ پہلی دفعہ سعدی پریشان لگ رہا تھا' اور فارس کو اذیر نو غصہ چڑھ گیا تھا۔''تم نے مجھے کہا تھا کہ تم نے وہ پاسپورٹ ڈسپوز آف کر دیا ہے۔یہ ڈسپوز آف کیا ہے تم نے؟'' وہ دبا دبا سا غرایا' ساتھ میں اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور بھی رہا تھا۔

''میں نے کر دیا تھا۔مختلف جگہوں پہ پھینکا تھا۔کسی کو کیا پتہ میں ادھر آ رہا ہوں۔کیسے کسی نے اس کو اٹھایا۔پھر جوڑا۔'' وہ سخت پریشان ہو گیا تھا۔

''ہم تش اوکے۔اتنا مسئلہ نہیں ہے۔'' زمر نے سجاؤ سے کہتے ہوئے تسلی دی۔''یہ تمہاری سیلف ڈیفنس موو تھی۔تمہیں کوئی اس پہ کچھ بھی ثابت نہیں کر سکتا۔ہمیں اس وقت ڈاکٹر سارہ پہ فوکس کرنا ہے۔ان کو گواہی دینی ہوگی' ہر حال میں۔''

فارس نے ایک ملامتی نظر ان دونوں پہ ڈالی اور سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔حنین اس کے پیچھے لپکی۔شور' ہجوم اور اس ساری چہل پہل کے درمیان میں سے گزرتی' وہ بالآخر اس کی رفتار سے جا ملی۔

''تو ہاشم اب اس پاسپورٹ کے ذریعے بھائی کو دہشت گرد ثابت کرے گا؟ بھائی بہت ہرٹ ہو گا یوں ماموں۔ہم اس کا ہرٹ کیسے کم کریں؟'' وہ فکر مند اور ناخوش لگتی تھی۔فارس نے رفتار ہلکی کر دی' پھر چند گہری سانسیں اندر کھینچیں۔

''ہمیں اب اس بات کو یقینی بنانا ہو گا حنین کہ تمام گواہ درست گواہی دیں۔اور سب سے پہلے ہمیں سارہ کو راضی کرنا ہو گا۔ہمیں زمر اور سعدی کی مدد کرنی ہو گی اور اس ٹرائل کو سنجیدہ لینا ہو گا۔'' وہ اب اسے سمجھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔حنہ سر ہلاتی سن رہی تھی۔

''یعنی زمر کی مدد کرنا...سو بورنگ۔'' وہ ناراضی سے بولی تھی۔

کچہری کے باہر لمبی سیاہ شیشے والی کارز کی طویل قطار لگی تھی۔جواہرات کو گو کہ ہر پیشی پہ آنے کی ضرورت نہ تھی لیکن وہ ہر دفعہ نیا سیاہ ڈیزائنر ویئر اور نئی جیولری پہن کے ضرور آتی۔اسے معلوم تھا کہ ہاشم جیت جائے گا' سو وہ اس سارے دورانیے میں بھرپور میڈیا attention سے فائدہ اٹھا رہی تھی۔

اس وقت بھی وہ اپنی کار میں آ کر بیٹھی تو احمر فرنٹ سیٹ پہ بیٹھا موبائل دیکھ رہا تھا۔جواہرات نے ایک نظر نوشیرواں اور ہاشم کی گاڑیوں کو آگے نکلتے دیکھا' پھر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''یہ آبدار فارس وغیرہ کے ساتھ کیوں بیٹھی تھی؟''

''وہ تو دو ماہ سے ہر پیشی پہ آ کر ادھر ہی بیٹھ جاتی ہیں۔ظاہر کرنا چاہتی ہیں کہ ہمارے ساتھ نہیں بیٹھنا ان کو۔'' وہ موبائل سے کھیلتا ہوا بولا تھا۔کار اب سڑک پہ دوڑ رہی تھی۔

''اور تم کہاں تھے؟ آتے ساتھ ہی غائب ہو گئے۔ پھر تم اور فارس باری باری کورٹ روم میں داخل ہوئے۔ہاں احمر؟'' وہ نرم مگر گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔احمر نے پورے سکون سے چہرہ موڑا۔

''غازی نے بلایا تھا مجھے۔وہ بات کرنا چاہتا تھا۔'' وہ پورے اعتماد سے اسے بتا رہا تھا۔''وہ اس مقدمے سے خوش نہیں ہے۔آپ کے لئے پیغام بھجوایا ہے کہ ڈاکٹر سارہ کو تنگ نہ کیجئے گا ورنہ وہ ہر حد تک جائے گا۔''

''تمہارا دوست رہا ہے۔کچھ اور پوچھا نہیں اس نے تم سے؟''

''اگر میں اتنی آسانی سے بتانے والوں میں سے ہوتا تو آپ کی کار کی فرنٹ سیٹ پہ نہ بیٹھا ہوتا۔'' مسکرا کر تابعداری سے بولا تھا۔ جواہرات کے لب بھی مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔سر کو خم دیا اور باہر دیکھنے لگی۔اسے احمر پہ پورا اعتبار تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جو سیلابوں کی رو میں بہہ گئے ہیں

کرے گا کون ان قبروں کا ماتم؟

سارہ کے گھر کے لونگ روم میں اس وقت شدید تناؤ کی سی کیفیت تھی۔ایسے جیسے ہر شخص کی گردن سے ڈوریاں بندھی ہوں اور ان ڈوریوں نے ساری فضا میں کھنچاؤ پیدا کر دیا ہو۔کوئی ڈھیلا پڑنے کو آمادہ ہی نہ ہوتا تھا۔

''سارہ اگر تم نے وہ سب کچھ دیکھا تھا تو تمہیں کسی سے تو کہنا چاہیے تھا۔'' ندرت ملال سے کہہ رہی تھیں۔پچھلے ڈھائی ماہ میں وہ یہ بات کئی دفعہ دہرا چکی تھیں۔سامنے صوفوں پہ موجود زمر' فارس' حسین اور خود ذکیہ بیگم سب خاموش تھے۔جب ندرت بولتیں تو وہ اسے دیکھتے' جب سارہ بولتی تو اسے۔ٹینس کے میچ کی طرح نگاہیں دائیں سے بائیں سے دائیں واپس آتیں۔

''آپا آپ سب کچھ جانتے کے باوجود ایسا کیسے کہہ سکتی ہیں۔'' سامنے والے سنگل صوفے پہ فکر مند اور بے بسی بھرا دبا دبا غصہ لئے بیٹھی سارہ نے شاکی انداز میں کہا تھا۔وہ ابھی آفس سے آئی تھی۔بال جوڑے میں بند ھے تھے۔پرس بھی ساتھ ہی رکھا تھا۔چہرے پہ تھکان تھی مگر آنکھوں میں خفگی بھی تھی۔''خاور نے مجھے ہراس کیا تھا۔وہ لوگ میرے بچے مار دیتے' کیا یہی چاہتے ہیں آپ لوگ؟''

''اچھا ٹھیک ہے وہ سب پیچھے رہ گیا۔لیکن اب تو سارہ تم عدالت میں پیش ہو جاؤ ورنہ سعدی کا کیس بہت کمزور ہو جائے گا۔'' ندرت نے رسان سے سمجھانا چاہا۔

''میں کیسے عدالت میں کھڑے ہو کر یہ سب کہوں؟ وہ بہت خطرناک لوگ ہیں۔آپ لوگ مجھے سمجھانے کے بجائے خود کیوں نہیں سمجھتے؟'' وہ ڈری ہوئی نہیں تھی' وہ ان کی عقلوں پہ متعجب تھی۔

''سارہ انہوں نے جو سعدی کے ساتھ کیا' تم اس کے لئے کوئی گواہی نہیں دو گی کیا؟''

''تاکہ جو سعدی کے ساتھ کیا ہے وہی میرے بچوں کے ساتھ کریں؟ کیا اب بھی آپ لوگوں نے کوئی سبق نہیں سیکھا۔'' حیرت سے ان

سب کو دیکھا۔

"میرا شوہر مرا۔ فارس کی بیوی مری۔ زمر کے ساتھ جو ہوا۔ سعدی کے ساتھ جو ہوا۔ اب بھی آپ لوگ ان کے خلاف جانا چاہتے ہیں؟" وہ حیرت سے سبز آنکھیں پھیلائے کہہ رہی تھی۔

"سارہ!" فارس ہلکا سا کھنکارا۔ پھر ذرا آگے کو ہو بیٹھا۔ "ہم چاہتے ہیں کہ دوبارہ کسی کے ساتھ ایسا نہ ہو اس لئے ان کو سزا دلوائی جائے۔"

"یہی وارث کی منطق تھی، یہی زمر، سعدی اور تم نے کیا۔ تم لوگ میرے بچوں کو اب ایک نئے تجربے کی بھینٹ چڑھانا چاہتے ہو؟" وہ صدمے سے بول رہی تھی۔

"ڈاکٹر سارہ آپ کو کورٹ نے سمن کیا ہے، آپ کو آنا تو پڑے گا۔ اسٹینڈ پہ کھڑے ہو کر حلف تو لینا ہوگا۔ پھر جھوٹ بولیں گی کیا آپ؟" زمر جو ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی مسلسل نیلی انگوٹھی کو انگلی میں گھما رہی تھی، رسان سے بولی تھی۔

"سوری زمر لیکن میں کسی عدالت میں نہیں جا رہی۔ اور پلیز مجھے ان جج مینٹل نظروں سے نہ دیکھیں۔ آپ میری جگہ نہیں ہیں۔ اس لئے نہیں سمجھ سکتیں۔"

"ڈاکٹر سارہ میں آپ کی جگہ پانچ سال پہلے تھی اور میں نے کورٹ میں گواہی دی تھی۔ میں چھپ کر گھر میں نہیں بیٹھ گئی تھی۔ گواہی چاہے غلط تھی یا صحیح تھی چھپائی نہیں تھی میں نے!"

"آپ نے فارس کے خلاف گواہی دی تھی، کاردارز کے خلاف نہیں۔ بھری عدالت میں کاردارز کو قاتل نہیں کہا تھا آپ نے؟"

"میں پچھلے دو ماہ سے بھری عدالت میں کاردارز کو ہی قاتل بول رہی ہوں سارہ، اور میں ابھی تک زندہ ہوں۔ مجھے ایک دفعہ بھی انہوں نے دھمکی نہیں دی۔ اتنے ہائی پروفائل کیس میں ہاشم جیسے لوگ گواہوں یا وکیلوں کو نہیں نقصان پہنچاتے۔ وہ ہم سے ڈرے ہوئے ہیں۔ ہمیں ان سے نہیں ڈرنا۔"

زمر اسی انداز میں کہہ رہی تھی۔ سارہ نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ کچھ سننے کو تیار نہ تھی۔ "آپ نہیں سمجھ سکتیں زمر۔ آپ کے دو چھوٹے چھوٹے بچے نہیں ہیں جن کے لئے آپ کو ڈرنا پڑے۔"

لاؤنج میں ایک دم سناٹا چھا گیا۔ فارس نے بے اختیار نگاہیں چرائی تھیں۔ پتہ نہیں کس سے۔ حنہ کے دل کو کچھ ہوا۔ ندرت نے پہلو بدلا۔ مگر زمر اسی طرح آرام سے بیٹھی رہی۔ آنکھوں کے تاثرات پرسکون رہے۔

"جی سارہ، آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میرے دو بچے نہیں ہیں۔ میرے تین بچے ہیں اور میں یہ سب انہی کے لئے کر رہی ہوں۔"

حنہ مسکرا دی۔ بہت سی ڈوریاں جیسے ٹوٹ گئیں۔ تناؤ گویا فضا میں گھل گیا۔ بہت سے لوگوں نے سکون کی سانس لی۔ سارہ چند لمحے کوئی بول نہیں سکی، پھر اٹھ گئی۔

"مجھے ایک میٹنگ میں جانا ہے۔ اور میں مزید یہ بات نہیں کرنا چاہتی۔" پھر ایک ملامتی نظر فارس پہ ڈالی۔ "اب تم بھی مجھے سیف داستہ

نہیں دینا چاہتے کیونکہ تمہیں بھی اب اس ٹرائل والی منطق سے اتفاق ہوگیا ہے' ہے نا۔"

"آپ کے لئے گواہی دینا بہتر ہے سارہ۔" وہ نرمی سے بولا تھا۔ سارہ سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔ سب خاموش رہ گئے۔ ماحول افسردہ ہو گیا۔ پھر فارس کھنکھارا۔ "میں بھی چلتا ہوں۔ مجھے بھی..." زمر کو دیکھا۔ "کسی کے ساتھ ڈنر کرنا ہے۔"

زمر یوسف جو چند لمحے پہلے تک پرسکون سی بیٹھی تھی' اب کے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا تو ان میں آگ کی لپٹیں نکل رہی تھیں۔

"تو ڈنر کے ٹائم جانا۔ ابھی سے کیوں جا رہے ہو؟"

"اچھا ہے نا۔ ذرا گپ شپ لگانے کا وقت مل جائے گا۔ کبھی کبھی تو ایسا بہانہ ملتا ہے۔" تھوڑی کھجاتے ہوئے وہ سادگی سے بولا تھا۔

(دو نمبر آدمی!) وہ بڑبڑا کر رخ موڑ گئی۔ سارا موڈ خراب ہوگیا تھا۔ وہ اب اپنا والٹ اور چابیاں اٹھا رہا تھا۔ زمر کا بہت دل چاہ رہا تھا کہ وہ اسے روک لے۔ مگر اب منت تو کر نہیں سکتی تھی۔

(اب یہ اس کے ساتھ ڈنر کرے گا۔ پتہ نہیں کتنے گھنٹے۔ اچھا بہانہ ہے۔ ہونہہ شوت مائی فٹ۔ دو نمبر قسم کے بہانے۔) وہ کتنی ہی دیر خاموش بیٹھی کلستی رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سوچ کا آئینہ دھندلا ہو تو پھر وقت کے ساتھ

چاند چہروں کے خدوخال بگڑ جاتے ہیں

ہوٹل کی لابی میں معمول کی گہما گہمی تھی۔ دیوہیکل دیواروں اور عالیشان ستونوں سے مزین لابی میں اونچے فانوس لٹک رہے تھے' زرد روشنیوں نے خوابناک سا ماحول بنا رکھا تھا۔ ایک طرف اونچے شیشے کے پار مصنوعی آبشار بہہ رہی تھی۔ پانی اوپر سے نیچے آ کر حوض میں گرتا بہت دلفریب معلوم ہو رہا تھا۔ شیشے کی دیوار کے قریب جہاں بہت سے سیاح رک رک کر آبشار کے ساتھ تصاویر بنوا رہے تھے وہاں نوشیرواں بھی کھڑا تھا۔ مگر اس کی پشت شیشے کی طرف تھی۔ وہ آبشار کو نہیں' اپنے فون کو دیکھ رہا تھا۔

دفعتاً سامنے سے شہرین آتی دکھائی دی۔ اس کے سنہری بال اونچی پونی میں بندھے تھے' اور مسکرا رکے باوجود آنکھوں میں شدید بے چینی کا تاثر تھا۔ تیز تیز قدم اٹھاتی وہ اس کے قریب آئی۔

"تھینک گاڈ تم آ گئے۔" شور کے باعث اسے بلند آواز میں نوشیرواں کو مخاطب کرنا پڑا تھا۔ شیرو نے بے گانگی سے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تم نے کہا تھا کہ اس کا تعلق میرے کیس سے ہے' اسی لئے آیا ہوں' بولو۔"

شہرین نے افسوس سے اسے دیکھا۔ "تم ہاشم کی طرح ہوتے جا رہے ہو۔ ابھی ایک سال پہلے کی بات ہے جب تم مجھ سے...." اس نے سر جھٹکا۔ "اچھا آؤ کہیں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔"

"بیٹھ کر بات کرنے سے تمہاری کڑوی باتوں میں مٹھاس نہیں گھل جائے گی۔ جو بتانا ہے یہیں بتاؤ۔"

شہرین نے سینے پہ بازو لپیٹ لئے اور تندہی سے اسے دیکھا۔ "تمہیں مجھ سے ذرا احتیاط سے بات کرنی چاہیے۔ یہ مت بھولو کہ تم میرے سامنے اعتراف جرم کر چکے ہو اور کورٹ نے مجھے گواہی کے لئے بلایا ہے۔"

"تو جاؤ دے دو گواہی۔" اس نے شانے اچکائے تھے۔ اس کے انداز میں کچھ عجیب سی بے پرواہی تھی۔

"میں نے گواہی دی تو تم جیل میں پڑے ہو گے۔ ڈرو اس وقت سے۔"

نوشیرواں نے فون سے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا' وہ بھی ابرو اچکانے والے انداز میں۔

"اعتراف جرم اتنی بڑی بات نہیں ہوتی شہرین۔ میں نے آج دیکھا سعدی کو... اپنی آنکھوں سے دیکھا..." دو انگلیوں سے اپنی آنکھوں کی طرف اشارہ کیا۔ "اس نے بھری عدالت میں کہا کہ اس نے دو لوگ قتل کیے ہیں۔ لیکن کسی نے اس کو اس disgust اور نفرت سے نہیں دیکھا جیسے اس روز کلب میں لوگوں نے مجھے دیکھا تھا۔ میری گولیوں سے وہ مرا تو نہیں تھا' میں اقدام قتل کا مجرم ہوں' قتل کا تو نہیں۔ اس نے تو دو لوگ.... دو انسان مار دیے اور کسی نے اس کو ایسے نہیں دیکھا۔ قانون' پولیس' سب اس کو پروٹیکٹ کر رہے ہیں۔ یہ کہنا کہ میں نے کسی کو مارا ہے' اتنی بڑی بات نہیں تھی شہری۔ گناہوں سے ڈرنا نہیں چاہیے۔ ان کو فیس کرنا چاہیے۔ یا تو ہاشم بھائی کی طرح ان کے لئے ایک ہزار تاویلیں گھڑ لینی چاہئیں یا پھر..... سعدی کی طرح ان کا اعتراف کر کے ان کو own کرنا چاہیے۔ اپنے خوف اور ڈر کو own کرنا چاہیے۔"

شہرین نے بے زاری سے اس کی بات کاٹی۔ "شیرو میں تمہارے خلاف گواہی نہیں دوں گی اگر تم مجھے اپنی کمپنی میں شیئرز اور....."

"پتہ ہے شہری میں کتنے مہینوں سے' بلکہ ایک سال سے مختلف قسم کے واہموں اور خوف کا شکار رہا ہوں۔ سرخ شربت دیکھوں تو خون نظر آتا تھا۔" وہ سر اٹھائے اوپر جھولتے فانوس پہ نگاہیں جمائے کہہ رہا تھا۔ وہ عجیب سی ذہنی کیفیت میں تھا۔ "کتے کو ماروں تو لگتا انسان کو مار دیا ہے۔ ہاتھوں پہ سرخ دھبے نظر آتے تھے۔ گیلے دھبے۔ خون ہر جگہ تھا۔ میں برے خواب دیکھتا تھا۔ شاید مجھے بائی پولر ہو گیا تھا یا شاید Obssesive compulsive disorder ہو گیا تھا۔ ہونہہ۔ گوروں نے بھی دل کی بیماریوں کے کیسے کیسے نام رکھ دیے ہیں۔ مگر پتہ ہے کیا شہری... آج میں نے دیکھ لیا ہے۔" اوپر اٹھی اس کی آنکھوں میں فانوس کی جھلملاتی روشنیاں اتر آئی تھیں۔ "میں نے دیکھ لیا ہے کہ بہادر وہی ہوتا ہے جو اپنے خوف کو دبوچ لے اور پھر پھونک مار کر اس کو راکھ کی طرح اڑا دے۔ خوف سے بھاگنا مسئلے کا حل نہیں ہوتا۔ خوف کے اندر غوطہ کھانا اور پھر اس سے نکل آنا انسان کو اصل آزادی دیتا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ میں آزاد ہونے جا رہا ہوں۔ مجھے بالآخر ....." دائیں سے بائیں وہ ہوٹل کی طویل لابی کی اونچی چھت سے لٹکتے فانوس پہ نظر ڈالتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "مجھے بالآخر روشنی نظر آنے لگی ہے۔ اور جب تک میں اپنے آپ سے سچ نہیں بولوں گا میں آزاد نہیں ہو سکتا۔ اب مجھے روشنی نظر آنے لگی ہے۔ ہاں اب..... اب کچھ سمجھ میں آنے لگا ہے۔"

شہرین منہ کھولے اسے یوں دیکھ رہی تھی گویا اس کا دماغ چل گیا ہو۔

"شیرو دیکھو میری بات سنو تم خوامخواہ گلٹی ہو کر اپنا کیس مت خراب کرو۔ یوں تم....."

"تھینک یو میری بات سننے کے لئے۔ اب میرا دماغ کلئیر ہوا ہے۔" وہ سر ہلاتا اس کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔ وہ ابھی تک کسی دوسری دنیا میں تھا۔ جیسے دل و دماغ بہت سی آلائش سے پاک ہو گیا ہو۔

عرصے بعد اسے ایک روشنی کی امید نظر آئی تھی۔

اور یہ روشنی دکھانے والا بھی سعدی تھا۔

ایک دفعہ پھر وہ اس سے آگے نکل گیا تھا۔

مگر آج حسد محسوس نہیں ہوا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سخن وروا س منافقت سے تو خودکشی کا شعار سیکھو

زبان کا زخم زخم ہوا حروف کا کھر دے مندمل رہنا

ہارون عبید کی رہائشگاہ شام کے مبہم اندھیروں سے ڈھکی دکھائی دیتی تھی۔ مرکزی ڈرائنگ روم سے گفتگو کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ان کو نظر انداز کر کے تم گول سیڑھیوں کو پھلانگتے اوپر جاؤ اور آبدار کے دروازے کے کی ہول سے اندر جھانکو تو وہ اس طرف پشت کیے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی نظر آ رہی تھی۔ آئینے میں اس کا عکس جھلملا رہا تھا۔ سرخ بال... سیدھے سرخ بال کمر پہ گرے ہوئے تھے اور اس نے سرخ چھوٹا سا رومال ہیئر بینڈ کی طرح ماتھے سے ذرا اوپر سر پہ لپیٹ رکھا تھا۔ وہ کلائی میں چوڑا سا وائٹ گولڈ بریسلٹ پہنے ہوئی تھی، لباس سلور سلک کا تھا اور دیگر جیولری بھی وائٹ گولڈ کی تھی۔ اس سارے سفید پن میں سرخ اس کا رومال تھا یا پھر لپ اسٹک۔ وہ مسکرا کر چہرہ مختلف زاویوں سے موڑتی آئینے میں اپنا جائزہ لے رہی تھی.... دفعتاً اس نے موبائل اٹھا کر دیکھا۔ فارس کا پیغام سامنے ہی چمک رہا تھا۔

"آٹھ بجے تک آ جاؤں؟" اور جواب میں آبدار کا "یس" لکھا نظر آ رہا تھا۔ وہ ایک دفعہ پھر سے گھڑی دیکھنے لگی۔ ابھی پورا گھنٹہ پڑا تھا۔

نیچے واپس آؤ تو لاؤنج میں مخالف صوفوں پہ ہاشم اور ہارون بیٹھے دکھائی دیتے تھے۔ ہارون صوفے کی پشت پہ بازو پھیلائے بیٹھے چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے بغور ہاشم کو دیکھ رہے تھے جو ذرا ڈھیلا ہو کر بیٹھا تھا۔ آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے کسی غیر مرئی نقطے کو یوں دیکھ رہا تھا جیسے کسی انجان شخص کو پہچاننے کی سعی کر رہا ہو۔

"تمہاری پوزیشن دن بدن کمزور ہوتی جا رہی ہے ہاشم!" ہارون ہمدردانہ لہجے میں گویا ہوئے۔ گھاگ نگاہیں ہاشم کے چہرے سے ہٹ نہیں رہی تھیں۔ "ہمارے دوست تمہارے بارے میں شکوک و شبہات کا شکار ہو رہے ہیں۔"

ہاشم نے چونک کر ان کو دیکھا۔ بھنویں سکڑیں۔ "کیا کسی نے کچھ کہا ہے؟"

"بہت سے لوگ، بہت سی باتیں کہہ رہے ہیں۔ تمہارے ساتھ اب وہ مزید نہیں کام کریں گے۔ اسلحہ خریدنے کے لئے پیسہ وہ کسی اور سے

لانڈر کروانے کے آپشن پہ غور کر رہے ہیں۔ تم... ایک... ڈوبتا ہوا... ٹائی ٹینک ہو.... ہاشم!"

ہاشم کے چہرے پہ تلخ مسکراہٹ ابھری۔ "ہونہہ۔" اس نے سر جھٹکا۔ "مجھے ڈبونا اتنا آسان نہیں ہے ہارون۔"

"سنا ہے تمہارے اور سعدی یوسف کے کیس کا جج کافی ایماندار اور سخت ہے۔ بڑے بڑے فیصلے کیے ہیں اس نے ماضی میں۔"

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ کم از کم سعدی اسے خرید یا ڈرا نہیں سکتا۔"

"پھر تو تم بھی اسے نہیں خرید سکتے۔" ہارون کے لہجے میں تعجب در آیا۔

"اوہ ہارون۔ تم کس دنیا میں رہتے ہو۔ مجھے جج کو خریدنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ قانون نوشیرواں کے ساتھ ہے۔ قانون ملزم کا ساتھ دیتا ہے ہمیشہ۔ ملزم قانون کی محبوب اولاد ہوتا ہے۔ قانون کے جھول اسے بری کروا دیں گے۔ بہت جلد۔ رہے ہمارے دوست تو ان سے کہنا اگر میں ڈوبا تو سب کو لے کر ڈوبوں گا۔" کالر کھڑا کر کے وہ رعونت سے بولا تھا۔

"خیر، تم سعدی کو فصیح کے قتل کے جرم میں پکڑوا نہیں سکتے کیا؟"

"انکوائری تو ہو گی مگر ایک بات مجھے تنگ کر رہی ہے۔ سعدی نے کہا تھا کہ اس نے سیلف ڈیفنس میں قتل کیا ہے۔" وہ سوچتے ہوئے بول رہا تھا۔ "یعنی فصیح نے اس کو مارنے کی کوشش کی۔ پہلے گارڈ کمار نے بھی اس کو مارنے کی کوشش کی تھی۔ میری ناک کے نیچے دو لوگ اس کو کیوں قتل کرنا چاہیں گے ہارون؟" اور چبھتی ہوئی آنکھیں ہارون کے چہرے پہ جما دیں۔ ہارون اسی طرح ٹھنڈے انداز میں اسے دیکھے گئے۔

"ہو سکتا ہے سعدی جھوٹ بول رہا ہو۔"

"مجھے لگتا ہے مجھ سے کوئی اور جھوٹ بول رہا ہے۔"

"تو پھر اپنی ناک کے نیچے رہنے والوں سے سوال کرو۔ مجھ سے نہیں۔" ہارون مسکرا کر بولے تھے۔ ہاشم اپنی چبھتی نظروں سے انہیں دیکھے گیا۔

"اگر تمہاری کوئی انوالومنٹ نکلی ہارون تو...."

"وہ وقت گزر گیا جب تم میری ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر مجھے دھمکاتے تھے ہاشم۔ جاؤ اپنے بھائی کو بچانے کی فکر کرو۔" ہارون کے چہرے پہ اب بھی وہی سپاٹ پن، وہی سرد مسکراہٹ تھی۔ ہاشم کار دار کو اندر تک جیسے کسی نے جلا ڈالا تھا مگر اس بات کا جواب وہ دے نہیں پایا تھا۔

وہ جس وقت باہر پورچ کی طرف جا رہا تھا اسے لان عبور کر کے آتی آبدار دکھائی دی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو آمنے سامنے دیکھ کر ٹھٹکے تھے۔ دونوں کے قدم ٹھہر گئے تھے۔ نگاہیں ملیں۔ ہاشم نے سر سے پیر تک اسے دیکھا۔ وہ کافی تیار اور آجی سنوری لگ رہی تھی۔ سرخ لپ اسٹک سب سے زیادہ واضح تھی۔

''ریڈ۔'' وہ مسکرایا۔زخمی سا انداز تھا۔آبدار سر جھٹک کر آگے بڑھنے لگی۔ہاتھ میں کچھ تھا' سامنے تیار کار تھی جس کا دروازہ کھولے کھڑا ڈرائیور جس نے چابی ہاتھ میں پکڑ رکھی تھی گویا آبی کے حوالے کرنی ہوتا کہ وہ خود ڈرائیو کر کے جائے۔ہاشم نے ہر تفصیل کو غور سے دیکھا۔ وہ اس کے کندھے کے قریب سے گزرنے لگی تو وہ بولا۔

''پوچھ سکتا ہوں اتنا خاص کون ہے جس سے ملنے جا رہی ہو؟''

آبدار لمحے بھر کو ٹھہری۔چہرہ سنجیدہ اور سپاٹ رہا۔''نہیں۔'' کار کی طرف دیکھتے ہوئے خشک مزاجی سے بولی اور آگے بڑھ گئی۔

ہاشم کی نظروں نے دور تک اس کا تعاقب کیا تھا۔اس کے اندازے کے عین مطابق وہ اکیلی ڈرائیو کر کے جا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ بھی کیا لوگ ہیں محسن جو وفا کی خاطر!

خود تراشیدہ اصولوں پہ بھی اڑ جاتے ہیں

اطالوی ریسٹورانٹ کے برآمدے میں بچھی میزوں میں سے ایک پہ آبدار عبید بیٹھی تھی۔کمر پیچھے لگائے' اور کہنی کرسی کے ہتھ پہ جما کر اپنے ائیر رنگ سے کھیلتی' وہ منتظر نظروں سے داخلی دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی۔لان میں لگی میزوں پہ موجود افراد پہ بھی بار بار اس کی نظر بھٹکتی۔ کبھی کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھتی۔وہ ابھی تک نہیں آیا تھا مگر ابھی وقت پڑا تھا۔ایک فاتحانہ مسکراہٹ اس کے لبوں پہ کھیل رہی تھی۔

مورچال میں آٹھ بجے والے ڈرامے کا وقت ہوا چاہتا تھا۔ندرت مسلسل اونچا اونچا ڈانٹ کر اسامہ کو خاموش ہونے کے لئے کہہ رہی تھیں جو سارا اسکول کا کام لاؤنج میں بیٹھ کر ہی کرنے کی ٹھانے ہوئے تھا۔ساتھ میں مسلسل بڑے ابا کو بتا رہا تھا کہ حسینہ کو صداقت نے کتنا قیمتی samsung کا اسمارٹ فون لے کر دیا ہے۔اسے یقین تھا کہ یہ چائنہ والا نہیں بلکہ خالص اصلی والا ہے۔ندرت نے چپل اٹھائی تو وہ خاموش ہوا۔

سعدی قانون کی موٹی سی کتاب اٹھائے لاؤنج کے ایک کونے میں بیٹھا خاموشی سے پڑھ رہا تھا۔اور ان سب سے لاتعلق زمر اپنے کمرے میں اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی تھی۔بار بار گھڑی دیکھتی' چہرے پہ بے چینی بھی تھی اور غصہ بھی۔

''کیا اب وہ اس کے ساتھ بیٹھا ہوگا؟ ڈنر منگوا رہا ہوگا۔ثبوت کے تو بس بہانے ہیں۔موقع چاہیے فارس کو بس۔'' وہ سخت خفا لگ رہی تھی۔بار بار موبائل اٹھاتی پھر رکھ دیتی۔

''میں کیوں فون کروں؟ مجھے پروا تھوڑی ہی ہے۔ہونہہ۔'' وہ مسلسل خود سے بولے جا رہی تھی....

ریسٹوران میں واپس آؤ تو وہاں کھانے کی اشتہا انگیز خوشبو پھیلی تھی۔آبدار اسے داخلی دروازے سے ہی نظر آ گئی۔اس نے گہری سانس لی اور قدم اس کی طرف بڑھا دیے۔

آبی نے یقیناً اسے نہیں دیکھا تھا۔وہ مگن سی مسکراتی ہوئی' سوچ میں گم بیٹھی نظر آ رہی تھی۔اس نے آبدار کو نگاہوں میں رکھے لان پار کیا'
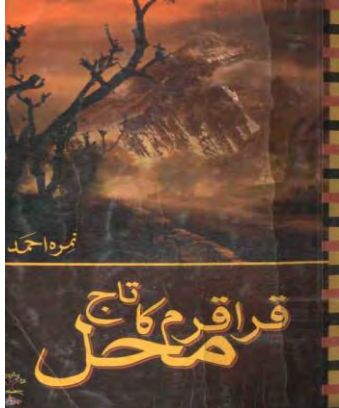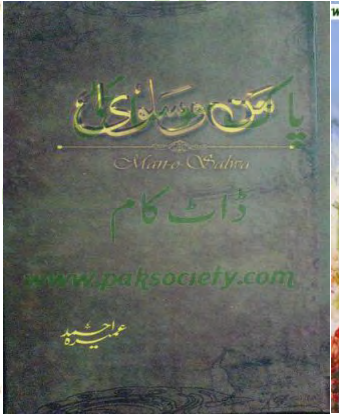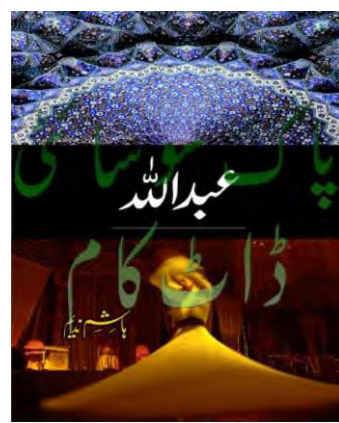
## پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

بہت سی میزوں کے درمیان سے راستہ بنایا اور پھر برآمدے کے زینے عبور کیے۔ چند ڈگ مزید اٹھائے' یہاں تک کہ آبدار کی میز سامنے آ گئی۔ اس نے قدم روک لیے۔ آبی کے بالکل سامنے۔

وہ جو گم سی بیٹھی تھی' کسی کے آنے کی آہٹ پہ چونکی۔ پھر مسکراتی نظریں اٹھائیں' مگر جیسے ہی آبدار نے سامنے موجود ذی نفس کو دیکھا' اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ آنکھوں میں الجھن سی ابھری۔

''سوری.... آپ کون؟'' جانتے بوجھتے بھی اس نے سوال کیا۔

سامنے کھڑی حنین نے مسکرا کے کرسی کھینچی۔

''میں حنین یوسف ہوں' مجھے فارس غازی نے بھیجا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ آپ کیس میں ہماری مدد کرنا چاہتی ہیں کسی اہم ثبوت کے ساتھ۔ میں وہی لینے آئی ہوں آپ سے۔'' اپنا پرس پیچھے رکھا اور دونوں کہنیاں میز کی سطح پہ رکھ کر چہرہ ہتھیلیوں پہ گرائے وہ معصومیت سے بولی۔

''اور.... فارس!'' وہ ششدر رہ گئی تھی۔

''وہ تو مجھے ڈراپ کر کے چلے گئے۔ وہ اکثر اسی طرح مجھے ڈراپ کرتے ہیں' اور عموماً اسی وقت کسی کا قتل ہو جاتا ہے۔ بس خدا کرے آج کوئی جان سے نہ جائے۔'' جھرجھری لے کر وہ بولی تھی۔

آبدار کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ ماتھے پہ سلوٹیں در آئیں۔ اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ اندر غصے کے ابال اٹھنے لگے تھے۔

''میں نا اچھی خاصی اپی کیورین ہوں۔ فوڈی! صحیح قسم کی فوڈی۔ اس لیے اپنا آرڈر تو میں فوراً کر رہی ہوں۔ آپ کیا لیں گی؟'' حنین مینو بک اٹھا کر ویٹر کو اشارہ کرتے سادگی سے پوچھ رہی تھی۔ آبدار نے تندہی سے اسے دیکھا۔ ماتھے پہ کٹے بال اور لمبے بالوں کی فرنچ چوٹی گوندھے' وہ لیمن کلر کے لان کے نفیس سے جوڑے میں ملبوس سادہ سی لڑکی تھی۔ گندمی رنگت کی حامل مگر چمکتی سیاہ آنکھوں والی۔ آبدار سر جھٹک کر موبائل اٹھا کر کال ملانے لگی۔ حنین اسی بے نیازی سے ویٹر کو آرڈر لکھوا رہی تھی۔

''آپ آرڈر نہیں کریں گی؟'' معصوم حنین نے پلکیں جھپک کر پوچھا۔

''تم یہاں کیوں آئی ہو؟'' وہ خشک لہجے میں بولی۔

''کیونکہ آپ کے پاس کوئی اہم ثبوت ہے جو آپ ہمیں دینا چاہتی ہیں۔ ماموں نے کہا' جا کر ان سے لے لو۔ میں آ گئی۔''

''جو دینا ہے' وہ ان کو ہی دوں گی۔ تمہیں نہیں۔ خیر تمہیں کچھ اور نہیں کہنا تو میں چلتی ہوں....'' وہ اٹھنے لگی۔

''ویسے تو میں اپنا بل خود ادا کروں گی۔ جی ایس ٹی ملا کر پورے دو ہزار پچاس بنیں گے۔ دو ہزار ہیں میرے پاس۔ آپ پچاس روپے ادھار دے دیں' ٹرائل پہ جب آپ سے ملوں گی تو دے دوں گی واپس۔ پھر آپ بے شک چلی جائیں۔'' پھر سے آنکھیں جھپکائیں۔

آبدار نے ایک تیکھی نظر اس پہ ڈالی' کلچ کھولا' اندر سے کریڈٹ کارڈ نکالا اور میز پہ رکھ دیا۔ نظر اٹھا کر ویٹرز کو دیکھا جو سروِنگ کی تیاریوں میں نظر آتے تھے۔ چونکہ ہدایات کڑی تھیں اس لیے اس کے ''مہمان'' کے آتے ہی وہ چوکنے ہو گئے تھے۔ ان کو معلوم نہیں تھا کہ مہمان

مطلوبہ شخص نہیں ہے۔

''پیمنٹ ہو جائے گی۔تم کھانا کھاؤ۔!'' وہ بے زاری سے بولی تو حنین نے شانے اچکائے۔

''آپ کی مرضی!'' اور نیپکین گود میں بچھایا۔ چھری کانٹا درست کر کے رکھا۔ ''ویسے چاہیں تو ماموں سے ایک دفعہ پوچھ لیں۔ وہ بہت پر یقین تھے کہ آپ بغیر وہ فلیش ڈرائیو دیے نہیں جائیں گی۔'' آبدار کو اس کے کیو کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ پہلے ہی موبائل پہ نمبر ملا کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ جیسے ہی فارس نے کال پک کی وہ میز کے پیچھے سے نکل کر ذرا دور چلی آئی۔

''آپ کہاں ہیں؟'' ریستوران کے برآمدے میں کھڑے ناراضی سے وہ فون میں بولی تھی۔

''کام سے نکلا ہوا ہوں۔ کیوں؟''

''آپ کو خود یہاں آنا تھا۔ اس کو کیوں بھیجا؟'' گردن موڑ کر ایک خفا نگاہ حنین پہ ڈالی جو چہرہ ہتھیلیوں میں گرائے بیٹھی مسکرا کر اسے دیکھ رہی تھی۔ آبی کو نئے سرے سے غصہ آنے لگا۔

''اگر کچھ واقعی ضروری ہے آپ کے پاس تو اسے دے دیں۔ آگے آپ کی مرضی۔''

''ڈر گئے کیا مجھ سے؟'' وہ چند لمحوں کے لئے خاموش ہوا۔

''میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں۔ صرف یہ نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے آپ کسی مصیبت میں پڑیں۔''

''مصیبت میں تو میں پڑ چکی ہوں۔'' تلخی سے مسکرا کر بولی۔ ''بہرحال میں اس کو کچھ نہیں دے رہی۔ بلکہ میں جا رہی ہوں یہاں سے۔''

''مرضی آپ کی۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔'' دوسری طرف سے لائن ڈیڈ ہو گئی۔ آبدار واپس آئی تو ماتھے کے بل گہرے ہو چکے تھے۔ کھانا سرد ہو چکا تھا اور حنہ مزے سے شروع بھی کر چکی تھی۔

''میرے بھائی کا انٹرویو کرنے کے بعد بھی آپ کو اصل گیم نہیں سمجھ آئی' ہے نا؟'' لزانیہ کا بڑا سا پورشن اپنی پلیٹ میں نکالتی حنین نے مگن سے انداز میں پوچھا تھا۔

''سوری؟'' وہ کھڑے کھڑے پچ میں موبائل رکھتی چونکی۔

''نہیں آیا سمجھ میں؟'' حنہ نے حیران نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ چند لمحے لے کر منہ کا لقمہ چبایا۔ پھر سافٹ ڈرنک کا گھونٹ بھرا۔ پھر چہرہ اٹھایا۔ آبدار اسی طرح شش و پنج میں کھڑی تھی۔

''یہی تو سارا مسئلہ ہے آبدار صاحبہ۔ فارس غازی ہم سے اپنا کام ایسے نکلواتے ہیں کہ ہمیں لگتا ہے یہ ہمارا ہی تو آئیڈیا تھا۔ آپ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ پچ پچ۔ میں سمجھاتی ہوں آپ کو۔'' رک کر کانٹے میں پھنسا پنیر' پاستا اور قیمے کا ٹکڑا منہ میں رکھا۔ لذیذ اشیاء زبان کو چھوتے ہی گویا اندر گھل گئیں۔ اس نے نوالہ تسلی سے کھایا۔ پھر بولی۔

''آپ ہارون عبید کی بیٹی ہیں نا' اور فارس ماموں کو معلوم تھا کہ ہارون صاحب کا سعدی بھائی کے اغواء میں ہاتھ ہے تو انہوں نے بس اتنا کیا کہ بھائی کے میموریل ڈے پہ میری تقریر سے پہلے ڈاکٹر توقیر بخاری سے کہا کہ اپنی تقریر میں اتنا کہہ دیں کہ سعدی یوسف کلینکل ڈیتھ کا شکار ہوا تھا۔ فارس غازی کو پتہ تھا کہ یہ فقرہ ہارون عبید کی بیٹی کو کلک کر جائے گا۔ وہ سعدی یوسف کو ڈھونڈے گی اور اس کو فالو کرتے ہوئے ہم اسے ڈھونڈ لیں گے۔ آپ کو بھائی نے بتایا کہ وہ نہیں گیا کسی کلینکل ڈیتھ میں صرف خواب دیکھا تھا اس نے مگر آپ نہیں مانیں۔ یہ بھی نہیں سوچا کہ اغواء کے وقت سعدی یوسف تو ہوش میں آیا ہی نہیں تھا' پھر ڈاکٹر توقیر بخاری کو کیسے پتہ کہ اس نے کچھ دیکھا یا نہیں؟ آپ کرتی ہیں نا ایسے لوگوں کا انٹرویو۔ یوں آپ نے بھائی کو ڈھونڈا اور ہم بھی بھائی تک پہنچ گئے۔ اب آیا سمجھ میں؟ آپ کو استعمال کیا ہے فارس غازی نے۔'' وہ کھاتے ہوئے بولتی جا رہی تھی جیسے خبر نامہ پڑھ کر سنا رہی ہو۔ آبی بالکل متحیری کھڑی تھی۔ سُن۔ پھر وہ آہستہ سے بیٹھی۔

''تو وہ ہمیشہ سے مجھ پہ نظر رکھے ہوئے تھا۔'' وہ بولی تو آواز میں تفاخر سا تھا۔ حنین نے ہاتھ روک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ اسے برا نہیں لگا تھا۔ اسے ناز ہوا تھا۔

''آپ تو کسی اور کی بھی نظر میں ہیں۔''

''کس کی؟'' وہ چونکی۔

''ہاشم کی!'' وہ بولی تو اندر دل گیلی لکڑی کی طرح سلگ گیا۔ آواز کانپی۔ آنکھوں میں کرب سا ابھرا۔ دل کھویا تھا اور واپس حاصل بھی کر لیا تھا مگر کھونے کا درد اور واپسی کے جتن کی اذیت آج بھی ویسی ہی تھی۔

''ہاشم کا کیا ذکر؟'' آبدار نے غور سے اسے دیکھا۔ وہ حیران ہوئی تھی۔ حنین چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ انہی کھوجتی رشک بھری نظروں سے۔ پھر لبوں سے پھسلا۔

''کیا ہے آپ میں' جو اسے کہیں اور دیکھنے ہی نہیں دیتا۔''

آبدار ہلکا سا مسکرائی' پھر آگے کو ہوئی اور حنہ کی سادہ چمکدار آنکھوں میں جھانکا۔ ''چھوٹی لڑکی' کیا تمہیں ہاشم پہ کرش ہے۔''

حنین اسی طرح اسے دیکھے گئی۔ بولی کچھ نہیں۔ البتہ اس کے رخسار گلابی ہوئے تھے۔

''ہاشم کو متاثر کرنے کے لئے سامنے والے میں ''کلاس'' ہونی چاہیے۔'' وہ پیچھے کو ٹیک لگاتے ہوئے خبردار کرنے کے سے انداز میں گویا ہوئی۔ ''خوبصورتی ہونی چاہیے۔ متاثر کن اسٹائل ہونا چاہیے۔ ذہانت اور اعتماد ہونا چاہیے۔ ایسی لڑکی جو اس کی کہنی تھام کر جب چلے تو ایک دنیا اس کو دیکھے۔ وہ ڈھیروں دولت اور جاہ کی مالک ہو۔ اس کا اعلیٰ خاندان ہو۔ وہ شہزادیوں جیسی ہو۔ وہ کیریئر وومن ہو۔ بڑے بڑے میدان مارے ہوں اس نے۔ سیمینارز اور ورکشاپس میں تقریر کرتی ہو تو ایک دنیا اس سے متاثر ہوتی ہو۔ اس سے کم پہ وہ کبھی راضی نہیں ہوتا۔ شہرین اپنی جوانی میں ایسی ہی تھی۔''

''اور آپ بھی ایسی ہی ہیں۔'' وہ اسے تکتے ہوئے بے خودی کے عالم میں بولی تھی۔ آبدار نزاکت سے مسکرائی۔

"میں تمہارا دل نہیں توڑنا چاہتی، مگر تم ایسی بالکل بھی نہیں ہو۔ وہ تمہیں کبھی نہیں چاہے گا۔ وہ ہر کسی کو نہیں چاہ لیتا۔"

حنین ہلکا سا مسکرائی۔ "مجھے اس کی خواہش بھی نہیں ہے، میرے لئے یہی کافی ہے۔ مجھ سے فارس غازی محبت کرتے ہیں اور وہ ہر کسی سے محبت نہیں کر لیتے۔ بڑے جتن کرنے پڑتے ہیں ان کی محبت، دوستی اور اعتماد جیتنے کے لئے۔ وہ مجھے اپنی "ٹیم" کہتے ہیں۔ میں اداس بیٹھی ہوں تو محسوس کر لیتے ہیں اور میں خوش بیٹھی ہوں تو میری خوشی ہمیشہ بانٹتے ہیں۔ مجھے ایسی باتیں بھی بتا دیتے ہیں جو زمر کو نہیں بتاتے۔ میں خوش ہوں کہ میرے پاس زیادہ اچھے محبت کرنے والے ہیں۔"

آبدار کی مسکراہٹ پھیکی پڑ گئی تھی مگر اس نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔ "تم ان کی بھانجی ہو۔ یہ نیچرل ہے۔"

"آپ یہ کہہ رہی ہیں کہ میرے اندر محبت لینے والی کوئی خوبی نہیں ہے؟"

"میرا تم سے کیا مقابلہ ہے!" وہ مسکرا دی اور پھر شانے اچکائے۔ عجب ادائے بے نیازی تھی۔

"تو پھر مجھے وہ ثبوت نہیں دیں گی آپ؟" حنین پلیٹ پرے دھکیل کر ٹشو سے ہاتھ اور لب صاف کرتے ہوئے بولی۔ آبدار نے مسکرا کر نفی میں گردن ہلائی۔

"فارس غازی سے کہو اگر وہ اسے چاہیے تو مجھ سے خود آ کر لے۔ میں دے دوں گی مگر صرف اسی کو۔ تم میرے پیر بھی چھوؤ تو میں تمہیں نہیں دوں گی۔"

"آپ کی مرضی ورنہ میں تو آپ کے پیر چھونے والی تھی!" حنین مایوسی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور پرس کندھے پہ لٹکایا۔

"کھانا اچھا تھا مگر اتنا اچھا نہیں۔ اٹالین میں ویسی ٹچ آ رہا تھا۔ بل آپ ادا کر دیجئے گا۔ میں تو ویسے بھی کسی قابل نہیں۔" اور کندھے اچکا کر مڑ گئی۔ آبدار نے سر جھٹکا۔ اس کی نظروں نے دور جاتی حنین کا آخر تک پیچھا کیا تھا۔ پتہ نہیں کیوں آخری باتوں میں طنز سا محسوس ہوا تھا۔

بل پے کرنے کے بعد اس نے کریڈٹ کارڈ واپس رکھنے کے لئے پرس کھولا تو ایک دم ٹھٹک گئی۔ اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

پرس کی اندرونی زپ کھلی تھی اور وہ خفیہ جیب خالی تھی۔ وہ خفیہ جیب جس میں اس نے وہ نائی پن ڈرائیو رکھی تھی۔

"کدھر گئی!" آبدار بدحواسی سے پرس کو کھنگالنے لگی۔

باہر پارکنگ میں فارس کی کار کا فرنٹ ڈور کھول کر حنین اندر بیٹھی اور نائی پن کیمرہ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"چار منٹ بھی نہیں لگے مجھے۔ پہلے اس کا پرس کھلوایا۔ پھر جب وہ آپ سے بات کرنے کے لئے سائیڈ پہ گئی تو اسے نکال لیا۔ مجھے لگا تھوڑی احتیاط سے چھپائے گی اسے مگر وہ محترمہ تو اپنے شاہانہ زعم میں کافی لاپرواہ ثابت ہوئی ہیں۔ اب بیٹھ کر سوچ رہی ہوگی کہ کون کتنا قابل ہے۔ ہونہہ۔" خفگی سے بڑبڑاتی وہ بولی تھی۔ فارس نے ایک ہاتھ میں ننھا کیمرہ پکڑا اور دوسرے سے ڈرائیو کرتا کار آگے لے گیا۔

تھوڑی دور جا کر اس نے گاڑی کی چھت پہ لگی لائٹ آن کی اور غور سے اس ڈیوائس کو دیکھا۔ پھر جیب میں رکھ دی۔

''ویسے آپ خود بھی ان سے مل کر یہ لے سکتے تھے۔'' کافی دیر بعد حنین ونڈ اسکرین کے پار نگاہیں جمائے سوچتے ہوئے بولی۔

''جب آپ کو یہ معلوم ہو حنین کہ کسی سے آپ کا ملنا یا بات کرنا آپ دونوں کو فتنے میں مبتلا کر سکتا ہے تو پھر اس راستے سے ہی احتراز برتنا چاہیے۔ یہ نہیں کہ بہانے بہانے سے اس سے ملا جائے اور خود کو صفائیاں دی جائیں کہ یہ آخری بار ہے اس دفعہ بات کر کے اس قصے کو ختم کرنا ہے میں نے۔ ایسے نہیں ہوتا۔ جب تعلق ٹوٹنا ہوتا ہے تو کسی خدا حافظ کسی الوداع کے بغیر اسی لمحے توڑا جاتا ہے۔'' وہ سادہ سے انداز میں کہہ رہا تھا۔ حنین کو بہت کچھ یاد آیا مگر بظاہر بشاشت سے بولی۔

''صاف کہیں نا۔ بیوی سے ڈرتے ہیں آپ۔''

''بیوی سے کون نہیں ڈرتا یار!'' اس نے جھرجھری سی لی۔ وہ ہنس دی۔ پھر سڑک کو دیکھ کر بولی۔ ''اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''تمہیں گھر ڈراپ کر کے میں فاطمی صاحب کے پاس جا رہا ہوں۔''

حنین بالکل ٹھہر گئی۔ ''الیاس فاطمی۔ وارث ماموں کا باس؟'' یہ نام ذہن میں پانچ سال سے بیٹھا ہوا تھا۔

''ہوں۔ وہ witness list میں ہے۔ اس لئے مجھے اس سے ملنا ہے مگر سنو۔ گھر جا کر زمر کو مت بتانا کہ میں اس سے ملنے گیا ہوں۔'' یاد دہانی کرائی۔

''تو نہیں کیا بتاؤں آپ کس سے ملنے گئے ہیں۔''

''جس سے تم مل کر آ رہی ہو۔'' وہ محظوظ ہوا تھا۔

حنین کے ابرو خفگی سے بھینچے۔ ''اس mean حرکت کو کیا کہوں میں؟''

''اسے تم Farcisissm کہو۔ خیر سے زمر بی بی بھی ویز رو کرتی ہیں۔ اب اترو۔'' گھر آ گیا تھا۔ فارس نے اس کو مسکرا کر اترنے کا اشارہ کیا۔ حنین خفا سی اتر گئی۔ وہ مسکراتے ہوئے کار آگے لے گیا۔ اسے جیسے سوچ کر ہی مزہ آ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شدت غم میں بھی زندہ ہوں تو حیرت کیسی؟

کچھ دیئے تند ہواؤں سے بھی لڑ جاتے ہیں

وہ ایک عجیب رات تھی۔ بے چین۔ مضطرب۔ ڈھیر سارا ذہنی دباؤ لئے ہوئے۔

وہ سونیا کی سالگرہ میں جانے سے پہلے وارث سے ملا تھا۔ حنین اس کے ساتھ تھی۔ اسے حنین کو اس کی کسی دوست سے ملوانے جانا تھا۔ یہ بھی ایک بہانہ تھا۔ زمر سے ملنے کا بہانہ نہ ڈھونڈنے کا بہانہ۔ جب کوئی تعلق نہیں رکھنا تو کیا بار بار اس کا سامنا کیا جائے؟ یہی سوچ کر وہ فرار اختیار کر رہا تھا۔ حنین کار میں بیٹھی تھی اور وہ باہر کھڑا تھا۔

وارث سے اس کی بات تب ہی ہوئی تھی۔ وہ کچھ پریشان تھا۔ ظاہر نہیں کر رہا تھا مگر پریشان تھا۔

''میرا باس مجھ سے استعفیٰ مانگ رہا ہے۔''

اس وقت لوگ آس پاس تھے۔وہ جلدی میں تھا۔اس کو سمجھا نہیں سکتا تھا۔اتنا وقت ہی نہیں تھا۔مگر اس نے بار بار کہا تھا۔

''تم انتظار کرو۔میں کرلوں گا سب کچھ ٹھیک۔بس تم استعفیٰ نہیں دو گے۔''

آخری دفعہ جو اس نے وارث کا چہرہ دیکھا' اس پہ ایک تسلی سی تھی۔سخت پریشانی کے درمیان موہوم سی تسلی۔ایک مان۔اعتبار سا تھا کہ فارس سنبھال لے گا۔اور وارث سر کو اثبات میں خم دیتے ہوئے اپنی کار کی طرف مڑ گیا تھا۔یہ وہ آخری دفعہ تھا جب اس نے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔زندہ چہرہ۔

وہ حسین کو ہوٹل لے آیا۔اس کی دوست سے پے در پے سوالات کرتے ہوئے بھی اسے مسلسل کوفت ہو رہی تھی۔ذہنی طور پہ وہ پیچھے تھا۔وارث کے مسئلے میں اٹکا تھا۔سالگرہ کی تقریب میں واپس آ کر بھی وہ ایسا ہی الجھا ہوا تھا۔زرتاشہ کو ہاشم نے کچھ کہہ دیا تھا' وہ اس پہ خفا ہو رہی تھی۔فارس کا کھولتا دماغ مزید ابلنے لگا تھا۔اسے خود بھی نہیں یاد اس رات اس نے کس کس کو جھڑکا تھا۔علیشا' حسین' زرتاشہ' ہاشم۔سارا غصہ اور چڑ چڑا پن اس لئے تھا کہ وہ وارث سے نہیں مل سکا تھا۔اسے ٹھیک سے سمجھا نہیں سکا تھا۔

زرتاشہ آف موڈ کے ساتھ سوئی تھی۔وہ مسلسل وارث کو کال کر رہا تھا مگر اس کا فون آف تھا۔اس رات وہ نہیں سویا۔بالکونی میں بیٹھا رہا تھا۔پیر لمبے کر کے میز پہ رکھے' وہ سوچے جا رہا تھا۔سامنے ہاشم کے کمرے میں ایک لیمپ آن تھا۔پردوں کی جھری سے صاف دکھائی دیتا تھا' ہاشم بھی صوفے پہ لمبے پیر کر کے بیٹھا سگریٹ پھونک رہا تھا۔اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور وہ کسی اور ہی حالت میں لگتا تھا۔

فارس پھر بالکونی میں ٹہلنے لگا۔دائیں سے بائیں۔بائیں سے دائیں۔وہ بے چین تھا۔جانے کون سی چیز سکون نہیں دے رہی تھی۔دل خراب تھا۔دماغ بھی ٹھیک نہیں تھا۔کیا کرے۔کس سے کہے۔

وہ عجیب بھاری سی رات تھی۔گویا دل پہ کوئی بھاری سل پڑی ہو جس کو اٹھائے تو کیسے اٹھائے؟ گرائے تو کیسے گرائے؟ کوئی سرا ہاتھ نہ آتا تھا۔صبح صادق ابھی ٹھیک سے طلوع بھی نہیں ہوئی تھی جب اس نے بنا کچھ کھائے پیئے' حتیٰ کہ منہ دھوئے بغیر چابی اٹھائی اور باہر نکل گیا۔اسے وارث سے ملنا تھا۔جلد از جلد۔کہیں دیر نہ ہو جائے۔کہیں کچھ ہو نہ جائے۔عجیب سے واہمے آتے تھے ذہن میں۔

مگر وارث اپنے ہاسٹل کے کمرے میں نہیں تھا۔صرف اس کا جسم تھا۔پنکھے سے جھولتا۔وہ بھاگا اور اس کے پیر پکڑ لئے' گردن کو سہارا دیا' مگر یہ گردن ٹوٹے کئی گھنٹے بیت چکے تھے۔وہ اب نہیں رہا تھا۔

اگلے چند دن یوں گزرے گویا آنکھوں کے سامنے لال دھند سی چھائی ہو۔عجب کرب تھا' عجب درد تھا۔پہلے دن وہ صدمے سے چپ رہا تھا۔وارث کی بیٹیوں کو روتے دیکھتا رہا۔ویران آنکھوں سے سب دیکھتا رہا۔ویران دل سے سنتا رہا۔پھر جب وہ وارث کی بیٹی کے ساتھ اس کی قبر کے سامنے بیٹھا تو اس روز سارے احساسات جاگنے لگے تھے۔غم پہ غصہ غالب آنے لگا تھا' اتنا کہ لگتا تھا دل پھٹ جائے گا۔تب اس نے عہد کیا تھا۔قسم کھائی تھی۔کہ وہ انتقام لے گا۔شاید تب وہ انتقام کو انصاف کے مترادف سمجھتا تھا۔وہ ضرور اپنے بھائی کے خونیوں کو

کیفرِ کردار تک پہنچائے گا اس کا عہد تھا خود سے۔ اور جتنا وہ اس بارے میں سوچتا تھا ازلی غصہ عود آتا تھا۔ دل چاہتا تھا ساری دنیا کو تہس نہس کر دے۔ جلا کر راکھ کر دے۔ کوئی راستہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ عقل پہ پڑا سرخ پردہ اتنا گھنا تھا کہ سارا منظر دھندلا دیتا تھا۔

وہ اور سعدی زمر کے پاس گئے۔ اب اسے پرواہ نہ تھی کہ وہ اس کی کون تھی۔ اب صرف یہ اہم تھا کہ وہ کون تھی۔ وہ پراسیکیوشن آفس میں ایک اہم عہدے پہ تھی۔ وہ اس کیس کو دیکھ سکتی تھی' وہی کچھ کر سکتی تھی۔ مگر اس کا رویہ بھی خشک سا تھا۔ وہ جیسے چھٹی لے کر جانے کے بعد زبردستی واپس بلائی گئی تھی۔ اس کے لئے تو یہ روز کی بات تھی۔ آج ایک قتل ہوا تو آج دو۔ وہ بے تاثر انداز میں معمول کا کام کرتی رہی۔

ابتدا اس نے فارس پہ شک سے کی۔ اس وقت وہ غصے میں اتنا اندھا ہو جانے والا آدمی تھا کہ زمر بی بی کے انداز پہ اس کا دماغ کھول کھول اٹھ رہا تھا۔ وہ غیر جانبداری سے اپنا کام نبھا رہی تھی مگر وہ مضطرب تھا' بے چین تھا۔ وہ چاہتا تھا جلد از جلد قاتل پکڑا جائے۔ وہ یہ نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ وہ پولیس آفیسر نہیں ہے' جسے چودہ دن میں تفتیش مکمل کرنی ہو اور چالان جمع کروانا ہو' وہ وکیل ہے اور وکیلوں کی تفتیش تو مہینوں' سالوں چلتی ہے۔ ان دنوں وہ کچھ بھی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ کوشش کے باوجود بھی نہیں۔ دماغ پہ چڑھی سرخ دھند نے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت تک سلب کر دی تھی۔ اسے سب سے زیادہ غصہ زمر پہ آ رہا تھا۔ ملال یا صدمہ نہیں۔ صرف غصہ۔ وہ اس پہ کیوں شک کر رہی تھی؟ ٹھیک ہے وہ اسے اپنی ایلی بائی سے ملوا دے گا' مگر وہ اس پہ شک کر کے اچھا نہیں کر رہی تھی۔ وہ یہ نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ زمر سب سے پہلے اس کو ہر شک اور شبہ سے پاک کر کے پھر آگے بڑھنا چاہتی ہے تا کہ کوئی اس پہ انگلی نہ اٹھائے کیونکہ وارث کا موبائل اور پھندا اسی کی کار سے ملا تھا' مگر سرخ دھند اسے کچھ سوچنے نہیں دیتی تھی۔ کوئی اس پہ شک کیسے کر سکتا ہے؟ سب اندھے ہیں کیا؟ وہ اپنے بھائی کا قاتل کیسے ہو سکتا ہے' یہ ایسا "ربش" تھا جس پہ فارس غازی کے خیال میں کوئی یقین نہیں کر سکتا تھا اس لئے اس نے اس امکان کو ذہن سے خارج کر رکھا تھا۔ مگر یقین کرنا کسے تھا؟ صرف شک ہی کافی ہوتا ہے۔ آدمی کو "ملزم" صرف شک بناتا ہے۔ یقین تو مجرم بناتا ہے۔ وہ ملزم بننے جا رہا تھا اور وہ خود اپنی قسمت سے لاعلم تھا۔ سارا دھیان صرف ایک چیز میں اٹکا تھا۔ وارث کا باس۔ الیاس فاطمی۔ صرف وہی جانتا ہے کہ وارث کو کس نے اور کیوں مارا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کشتیءجاں ہے کہ ڈوبے چلی جاتی ہے فراز
اور ابھی درد کا دریا نہیں طغیانی پہ

الیاس فاطمی اپنی اسٹڈی میں بیٹھا تھا۔ کمپیوٹر کے سامنے فائلوں کا انبار لگا پڑا تھا جس کے صفحات کا وہ اسکرین پہ نظر آتے ہندسوں سے موازنہ کر رہا تھا۔ اسٹڈی میں سفید بتیاں جلی تھیں۔ کھڑکی کے بلائنڈز بند تھے۔ پیچھے ریکس میں ترتیب سے رکھی کتابیں نظر آتی تھیں۔ وہ عینک لگائے کام میں پوری طرح منہمک تھا مگر اس آواز نے اسے چونکا دیا تھا۔ کوئی آہٹ سی تھی شاید۔

وہ چونک کر آگے پیچھے دیکھنے لگا۔ پھر عینک اتار کر فائل پہ دھری اور کرسی سے اٹھا۔ احتیاط سے ادھر ادھر دیکھتا باہر آیا۔ راہداری اور

سیڑھیاں نیم روشن تھیں۔ سارا گھر خاموش تھا۔ گہرے سناٹے میں ڈوبا تھا۔ لاؤنج' کچن' لابی' اس نے باری باری ہر جگہ دیکھی۔ دروازوں کے لاکس اور کھڑکیوں کے بولٹس چیک کیے۔ سب مقفل اور پرسکون تھا۔ وہ سر جھٹکتا واپس اسٹڈی میں داخل ہوا' دروازہ بند کیا اور جیسے ہی واپس گھوما' اس کا دل اچھل کر حلق میں اٹک گیا۔

سامنے اس کی کرسی پہ وہ بیٹھا تھا۔ پیر لمبے کر کے اس کی اسٹڈی ٹیبل پہ رکھے تھے' یوں کہ جوگرز فائلوں کو چھو رہے تھے' اور ٹیک لگائے' بازوؤں کا تکیہ بنا کر گردن کے پیچھے رکھا ہوا تھا۔ نظریں اس پہ جمی تھیں اور جب اسے متوجہ پایا تو سر کو خم دے کر سلام کیا۔

''کیا حال ہیں فاطمی صاحب؟''

فاطمی کی نظریں اس کے وجود سے ہوتی ہوئیں میز تک گئیں' جہاں بریٹا پستول رکھا تھا۔ فارس نے نظروں سے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ فاطمی نہیں ہلا۔ وہ کھڑا رہا۔ اس کا ذہن ممکنہ آپشنز پہ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ہاتھ ڈورناب پہ ہنوز جما تھا۔

''اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو چپ چاپ یہاں آکر بیٹھ جاتا کیونکہ اگر تم شور کر کے کسی کو بلاؤ گے تو بات پھیلے گی۔ ہاشم سنے گا تو سمجھے گا کہ تم اور میں ملے ہوئے ہیں اور یہ صرف ایک کور اپ تھا' ایک بھونڈی کوشش جس سے تم اس پہ یہ ثابت کر رہے تھے کہ تم مجھ سے نہیں ملے ہوئے۔ وہ مزید تم پہ شک کرے گا۔''

فاطمی نے ڈورناب چھوڑ دیا۔ اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورتا ہوا وہ سامنے آیا اور کرسی کھینچی۔ ''کیا چاہتے ہو تم؟ ہاشم کو اپنی اور میری کورٹ میں ہونے والی ملاقات کا جانے کس ڈھنگ سے بتایا ہے تم نے کہ وہ میری ایک ایک موو پہ نظر رکھنے لگا ہے۔ اب کیا چاہتے ہو تم!''

''بیٹھ جاؤ۔ اپنا ہی گھر سمجھو۔'' فارس نے پھر سے اشارہ کیا۔ اس کی سنہری آنکھوں میں سکون تھا اور بے نیازی بھی۔ فاطمی چند لمحے کھڑا رہا' پھر بیٹھ گیا۔ ایک گہری سانس لی۔ ''کیا چاہتے ہو تم!''

''تم نے پرسوں کورٹ میں پیش ہونا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم وہاں سچ بولو۔''

''میرا اس کیس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔'' وہ جھڑک کر بولا تھا۔

''تعلق تو ہے' اور تم کورٹ میں اس کے بارے میں بتاؤ گے اور پھر تم....'' فارس نے جوگرز نیچے اتار لئے' آگے کو ہو کر بیٹھا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''تم اپنی جاب سے استعفیٰ دے دو گے۔''

فاطمی کی آنکھیں پہلے حیرت اور پھر ناگواری سے پھیلیں۔ ''میں استعفیٰ کیوں دوں؟''

''کیونکہ میں ایسا کہہ رہا ہوں۔ کیونکہ میں ایسا چاہتا ہوں۔ کیونکہ میں تمہارے کیس کا جج' جیوری اور جلاد ہوں۔'' وہ سرد تپش سے لدی آنکھیں اس کے چہرے پہ گاڑھے بولا تھا۔ ''آج میں تم سے استعفیٰ مانگ رہا ہوں الیاس فاطمی۔''

''اور اگر میں نے ایسا نہ کیا تو کیا کرو گے تم؟ مجھے زہر دو گے؟ میری بیٹی کو مارو گے؟ تمہاری اطلاع کے لئے میں اسے باہر سیٹل کروا چکا ہوں۔ وہ تمہاری پہنچ سے اب بہت دور ہے۔'' وہ حقارت سے بولا تھا۔

''مجھے تمہاری بیٹی سے کوئی سروکار نہیں ہے۔مگر ہاں' تمہارے بیٹے سے ہے۔تمہارا لاڈلا بیٹا جس کی کار کے لیے تم نے میرے بھائی کو مصلوب کیا تھا۔جو باوجود کوشش اور سفارشوں کے مقابلے کا امتحان پاس نہیں کر سکا اور آج کل اسی پرائیوٹ فرم کو چلا رہا ہے جسے اس نے دو ڈھائی سال پہلے بنایا تھا۔مجھے تمہارے بیٹے سے سروکار ہے۔''

''کیا کرو گے تم میرے بیٹے کا؟'' وہ چونکا تھا مگر ڈرا نہیں۔

''دسمپل۔میں اس کے کمرے میں اسے پنکھے سے لٹکا کر اس کی گردن توڑ دوں گا۔جان کے بدلے جان۔گردن کے بدلے گردن۔اب فیصلہ تم نے کرنا ہے۔''پستول اٹھا کر جیب میں اڑسا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ایک لمحے کے لئے بھی الیاس فاطمی سے نظریں نہیں ہٹائیں۔

''تم ایسا نہیں کرو گے۔میرے بیٹے کا کوئی قصور نہیں ہے۔'' وہ بے تابی سے بولا مگر ڈرا اب بھی نہیں تھا۔

''میں نے کہا نا' فیصلہ تمہیں کرنا ہے۔عدالت میں سچ بولو ورنہ تمہیں تمہارے لاڈلے بیٹے کی لاش بہت جلد پنکھے سے جھولتی ملے گی۔'' پھر ہاتھ ماتھے تک لے کر سلام کیا۔

''پھر ملتے ہیں۔'' اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔چند لمحے بعد ویسا ہی سناٹا چھا گیا۔الیاس فاطمی اسی طرح بیٹھا رہا۔اس کے چہرے پہ غصہ بھی تھا' اور تفکر بھی۔مگر خوف نہیں تھا۔اسے معلوم تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

فارس اس ہاؤسنگ سوسائٹی کی تاریک اسٹریٹ میں قدم اٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا جب جیب میں رکھا فون تھرتھرایا۔اس نے چلتے چلتے اسے نکالا۔اسکرین دیکھ کر لب مسکرا اٹھے۔اس نے فون کان سے لگایا۔

''جی۔حکم!''

''کہاں ہو؟'' خفا خفا سا پوچھا گیا۔

''اسی کے ساتھ ہوں۔'' وہ مسکراہٹ دبا کر بولا۔

زمر خاموش ہو گئی۔پھر لہجہ سرسری سا بنایا۔''مجھے پوچھنا تھا کہ.....''

''بڑا اچھا ریسٹورانٹ ہے یہ۔پہلے بھی آیا ہوا ہوں میں یہاں' مگر آج زیادہ خوبصورت لگ رہا ہے۔پتہ نہیں کیوں۔ہاں تم کیا کہہ رہی تھیں۔''

زمر نے ضبط سے گہری سانس لی۔''میں تم سے پوچھ رہی تھی کہ تمہاری بلیو والی شرٹ.....''

''یار ویسے بہت اچھا کھانا ہے ادھر کا۔اور یہ کینڈلز بھی بہت اچھی ہیں۔یا شاید میرا موڈ اچھا ہے۔پتہ نہیں کیوں میں کافی انجوائے کر رہا ہوں۔''

''فارس!'' اس نے بمشکل ابلتے غصے کے اوپر بند باندھا۔''کل کے لئے تمہارے کون سے کپڑے استری کروانے ہیں اگر تم بتا دو تو میں صداقت کو.....''

''تم ایسے ہی اس لڑکی کو اتنا غلط سمجھتی ہو۔ایک معصوم سی خواہش تھی اس کی یہاں کھانا کھانے کی۔اور وہ میں نے پوری کر دی۔''

''اس نے تمہیں وہ ثبوت دیا یا نہیں۔'' وہ تیزی سے بولی۔

''اوہ۔وہ تو میں بھول گیا۔اصل میں باتوں میں اتنا مگن ہو گیا تھا کہ....''

''تم!'' زمر کا بس نہیں چل رہا تھا اس کو فون کے اندر سے ہی شوٹ کر دے۔''تم نا آج رات گھر نہ آنا۔''

''مطلب اجازت دے رہی ہو اس کے گھر رکنے کی۔'' سادگی سے پوچھا تھا۔زمر نے آنکھیں میچ کر کنپٹی سہلائی۔پھر آنکھیں کھولیں اور تیکھے لہجے میں گویا ہوئی۔

''تمہارے کپڑے اب میں کوئی استری وستری نہیں کروا رہی۔خود کرنا۔ہونہہ۔'' اور فون کھٹ سے رکھ دیا۔اس کا چہرہ تمتما رہا تھا اور تنفس تیز تیز چل رہا تھا۔

''دو نمبر آدمی!''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اب کیا فریب دیجیے اور کس کو دیجیے

اب کیا فریب کھائیے....اور کس سے کھائیے۔

اگلی صبح شہر پہ اتری تو ایسی گرم اور حبس آلود کہ گویا پتھروں کو بھی پگھلا دے گی۔مقامی چھٹی کی وجہ سے سارہ کو آفس نہیں جانا تھا۔وہ یونہی سستی سے بستر میں لیٹی رہی۔اے سی بھی بند نہیں کیا۔ال اور نور کب کی اٹھ چکی تھیں اور یقیناً اس وقت ناشتہ کر رہی تھیں۔سارہ تکیے پہ سر رکھے چھت کو تکتی رہی۔رہ رہ کر زمر اور فارس پہ غصہ آ رہا تھا۔کوئی بھی اس کو سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہا تھا۔سب خود غرض بنے ہوئے تھے۔وہ اپنی ہی سوچوں میں ڈوبی کبھی خفگی سے کسی دور غیر مرئی نقطے کو دیکھتی' کبھی سر جھٹکتی۔اسے ساری دنیا سے شکایتیں ہو رہی تھیں۔

وہ سست سی صبح قریبی شہروں پہ بھی طلوع ہو رہی تھی' البتہ پشاور کے جس پلازہ پہ سورج اس وقت اپنی ساری حدت برسا رہا تھا اس میں موجود لوگ کہیں سے بھی سست نہیں لگتے تھے۔زیر تعمیر پلازہ کے سیمنٹ زدہ ستون' اور پے در پے منزلوں پہ لگے مٹی اور بجری کے ڈھیر سے ایک طرف نظر ڈالو تو ایک بالائی منزل پہ ہاشم کاردار کھڑا دکھائی دیتا تھا۔وہ پلازے کے ایک وسیع و عریض ہال کے دہانے پہ کھڑا تھا جس کی کھڑکی کی جگہ خلا تھا۔(ابھی چار دیواری' دروازے' کھڑکیاں تعمیر نہیں ہوئے تھے'صرف ڈھانچہ سا ستونوں کے ذریعے کھڑا تھا۔) اور اس وسیع خلا سے گویا نیچے سارا شہر دکھائی دیتا تھا۔

ہاشم نیچے نظر آتے منظر سے بے نیاز، برہم موڈ میں کھڑا تھا۔نیوی بلیو کوٹ پہنے' بال جیل سے جمائے' وہ ماتھے پہ بل لئے سامنے والے شخص کو گھور رہا تھا جو کان کھجاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''یہ آپ سے کس نے کہا کہ ہم آپ پہ اعتماد نہیں کرتے یا آپ کا متبادل ڈھونڈ رہے ہیں۔؟''

''لوگ باتیں کر رہے ہیں۔'' وہ دانت پہ دانت جما کر بولا تھا۔

''کاروار صاحب ایسا کچھ نہیں ہے۔ ہمیں آپ کے ساتھ ہی کام کرنا ہے۔ ہاں یہ ٹھیک ہے کہ اس سعدی یوسف ٹرائل سے آپ کی پوزیشن خراب ہوئی ہے لیکن ہم آپ کے دوست ہیں' آپ کو مشکل سے نکالنے کے لئے ہر ممکن تعاون کریں گے۔''

''تو پھر ٹھیک ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔ ''مجھے اس لڑکے سعدی یوسف کو دہشت گرد ثابت کرنا ہے۔ اس کی سب سے بڑی کوالٹی یہ ہے کہ وہ صرف تھرکول کا انجینئر نہیں تھا' وہ ایک راکٹ سائنٹسٹ تھا' جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ میزائل ٹیکنالوجی کے معاملے میں بہت اچھا ہے۔ ایسے لوگ ماچس کی ڈبی سے بھی بم بنا سکتے ہیں۔ مجھے اس کو ٹی ٹی پی کا بم میکر ثابت کرنا ہے' اور آپ کو میری مدد کرنی ہوگی۔''

''ہو جائے گا ثابت' آپ فکر ہی نہ کریں۔ آپ بتائیں آپ کو ہم سے کیا چاہیے۔'' وہ پوری ذمہ داری سے اسے یقین دلا رہا تھا.....

سینکڑوں میل دور..... اسلام آباد میں سارہ اپنے کمرے سے بے دلی سے نکلی تھی۔ بالوں کو جوڑے میں باندھا اور پیروں کو نرم فر کے بنے چپلوں میں گھسیٹتی وہ سست روی سے ڈائننگ ٹیبل تک آئی۔ ذکیہ بیگم پچھلے چند دنوں سے کسی فوتگی کے باعث گاؤں گئی ہوئی تھیں۔ آج کل میں واپسی تھی۔ ان کے بغیر گھر اداس لگتا تھا۔

ملازمہ اسے دیکھتے ہی ناشتہ پوچھنے لگی۔

''بچوں نے ناشتہ کیا ہے؟'' وہ پھلوں کی ٹوکری سے مطلوبہ پھل ڈھونڈتے ہوئے بولی تھی۔

''جی کر لیا تھا۔''

''تو ابھی کہاں ہیں؟''

''باہر لان میں کھیل رہی ہیں۔''

''اتنی گرمی میں کون سا کھیل کھیل رہی ہیں؟ ویسے تو سارا دن موبائل اور ٹیبلیٹ ہوتے ہیں ہاتھ میں۔ جاؤ ان کو اندر لے کر آؤ۔'' وہ خفا ہوئی تو ملازمہ فوراً باہر کو لپکی۔

سارہ سیل فون پہ انگلی نیچے پھیرتی ای میلز دیکھنے لگی' دوسرے ہاتھ میں سیب تھا جسے وہ کھا رہی تھی' تبھی ملازمہ دوڑتی ہوئی آئی۔

''ڈاکٹر صاحبہ..... ڈاکٹر صاحبہ.....'' سارہ نے چونک کر چہرہ اٹھایا۔ وحشت زدہ بوکھلائی ہوئی ملازمہ ہانپتی کانپتی اس کی طرف آ رہی تھی۔ سارہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ سارے واہمے' سارے ڈر درست ثابت ہونے والے تھے۔

''بچیاں باہر نہیں ہیں۔ چوکیدار کہہ رہا ہے وہ ذرا دیر کو باتھ روم گیا تھا' پھر واپس آیا تو بچے نہیں نظر آئے' اس نے سمجھا اندر چلی گئی ہیں۔''

سیب' سیل فون' ہر شے اس کے ہاتھ سے پھسلی تھی۔ وہ اسی طرح باہر بھاگی۔ اس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا' اور سانس رک رک کر آ رہی تھی۔

لان ویران پڑا تھا۔ برآمدہ خالی تھا۔ پورچ میں کھڑا چوکیدار افسوس سے ہاتھ مل رہا تھا۔ اور اس کے ہاتھ میں کچھ تھا بھی نہیں۔ سارہ حواس باختہ سی اس کی طرف بھاگی۔

# پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

| | | | |
|---|---|---|---|
| عُمیرہ احمد | صائمہ اکرام | عُشنا کوثر سردار | اشفاق احمد |
| نمرہ احمد | سعدیہ عابد | نبیلہ عزیز | نسیم حجازی |
| فرحت اشتیاق | عفت سحر طاہر | فائزہ افتخار | عنایتُ اللہ التمش |
| قُدسیہ بانو | تنزیلہ ریاض | نبیلہ ابر راجہ | ہاشم ندیم |
| نگہت سیما | فائزہ افتخار | آمنہ ریاض | مُمتاز مُفتی |
| نگہت عبدُاللہ | سباس گُل | عنیزہ سید | مُستنصر حُسین |
| رضیہ بٹ | رُخسانہ نگار عدنان | اقراء صغیر احمد | علیمُ الحق |
| رفعت سراج | اُمِ مریم | نایاب جیلانی | ایماے راحت |

# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ،
حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ،
سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،

جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

''کہاں ہیں ال اور نور؟'' آواز گھٹی گھٹی سی نکلی تھی۔ وہ پاگلوں کی طرح آگے پیچھے دیکھ رہی تھی۔

''مجھے تو پتہ ہی نہیں چلا بیگم صاحب۔ یہ دیکھیں' یہ گیٹ کے اندر پڑا ملا ہے۔''

سارہ نے تقریباً جھپٹنے کے سے انداز میں وہ کاغذ تھاما۔

''آپ کے بچوں کو آپ کی اجازت کے بغیر لے کر جانے کے لئے بہت معذرت مگر پرسوں کی تاریخ کو یادگار بنانے کے لئے یہ ضروری تھا۔

''H

''اوہ! پرسوں... تاریخ!'' سارہ کا دل دور اندر ڈوبتا جا رہا تھا۔ اس کی بیٹیوں کو کون لے کر گیا تھا... سب عیاں ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تُو اگر سن نہیں پاتا تو مجھے غور سے دیکھ

بات ایسی ہے کہ دھرائی نہیں جائے گی

مور چال میں بھی وہ صبح سست سی طلوع ہو رہی تھی۔ چھٹی کے باعث ندرت کو ریستوران جلدی جانا تھا اس لئے وہ کچن میں کھڑی حسینہ کو تیز تیز ہدایات دے رہی تھیں۔ ساتھ ہی پرس میں موبائل اور بٹوہ بھی اڑس رہی تھیں۔

''آج ایک اہم برنچ اور پھر دو سالگرہ کی تقاریب ہیں میں گھر چکر نہیں لگا سکوں گی۔ تم یوں کرنا کہ۔''

ان کی آواز باہر ڈائننگ روم تک آ رہی تھی۔ جہاں زمر لاتعلق سی کرسی پہ بیٹھی چائے کے گھونٹ بھرتی اپنا موبائل دیکھ رہی تھی۔ اور وہ اس کے مقابل کہنیاں میز پہ ٹکا کر بیٹھا مگ ہاتھ میں لئے آنکھیں اس پہ جمائے ہوئے تھا۔ پھر دفعتاً وہ کھنکارا۔ وہ نظر انداز کیے رہی۔

''کل رات میں....''

''ابا آپ نے اخبار پڑھ لیا تو مجھے دے دیں۔'' وہ کرسی پہ پیچھے کو گھومی اور لاؤنج میں بیٹھے ابا کو پکارا۔ وہ عینک ناک پہ لگائے اخبار کھولے سر جھکائے جواباً بولے۔

''تم کب سے صبح صبح اخبار پڑھنے لگیں۔ ساری خبریں تو موبائل پہ پڑھ لیتی ہو۔''

فارس ہلکا سا مسکرایا۔ ''یہ دیکھنا چاہ رہی ہیں کہ شاید میری تیسری شادی کی خبر لگی ہو۔'' جہاں زمر نے مڑ کر اسے گھورا' وہاں ابا نے بھی نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ فارس کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ 'مذاق کر رہا تھا۔' اور ذرا رخ موڑ کر چائے پینے لگا۔ (سارا خاندان ہی....)

دفعتاً اس کا سیل فون بجنے لگا۔ اس نے عام سے انداز میں موبائل اٹھایا' پھر ذرا ٹھہرا۔ ''سارہ کا فون ہے۔'' ہلکا سا بڑبڑایا۔ زمر چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''شاید وہ witness prep کے لئے آنا چاہتی ہوں۔'' زمر کو اب بھی امید تھی۔

فارس نے موبائل کان سے لگایا اور بشاشت سے ہیلو کہا۔ دوسری طرف سے اس کے الفاظ سن کر اس کی رنگت بدلی۔ ابرو اکٹھے ہوئے۔ چونک کر زمر کو دیکھا۔ پھر ''جی.... جی۔'' کرتا اٹھ کھڑا ہوا اور کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

کسی انہونی کا احساس تھا کیا' زمر اس کے پیچھے لپکی۔ جب تک وہ اندر آئی' وہ فون رکھ چکا تھا اور والٹ اور چابیاں اٹھا رہا تھا۔ چہرے پہ شدید پریشانی تھی۔

''کیا ہوا؟'' فارس چند لمحے اسے دیکھتا رہا' پھر دبی آواز میں بولا۔

''وارث کی بیٹیاں.... صبح صبح کوئی ان کو لے گیا ہے۔ سارہ بہت رو رہی ہیں۔ ہمیں ان کے پاس جانا ہوگا۔''

''اوہ میرے اللہ!'' اس کا دل دہل گیا تھا۔ ''میں ندرت بھابھی کو....'' وہ مڑنے لگی تھی کہ فارس نے بازو سے پکڑ کر اسے روکا۔

''ان کو اور بڑے ابا کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ حنین اور اسامہ ویسے بھی سو رہے ہیں۔ خوامخواہ بات مزید بگڑے گی۔ صرف سعدی کو بلاؤ' اور ہم تینوں وہاں جاتے ہیں۔ میں پولیس کو کال کرتا ہوں۔'' پھر وہ چابیاں اٹھائے باہر کو لپکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیا سانحہ ہوا ہے' یہ آنکھوں کو کیا خبر
منظر نہیں رہا کہ اجالا نہیں رہا

دوپہر کا سورج آگ برسا رہا تھا گویا سب کے دل اندر تک جلا ڈالے تھے۔ لاؤنج میں صرف سارہ کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ ذکیہ بیگم مسلسل اسے چپ کرانے کی کوشش کر رہی تھیں' مگر وہ روئے جا رہی تھی۔ زمر سامنے مغموم سی بیٹھی تھی اور سعدی بالکل خاموش' سر جھکائے ہوئے تھا۔ وہ سارہ سے نظریں تک نہیں ملا پا رہا تھا۔

دفعتاً فارس موبائل جیب میں رکھتا اندر داخل ہوا۔

''ہمیں پولیس اسٹیشن جانے کی ضرورت نہیں ہے' پولیس اپنی پوری کوشش کر رہی ہے۔ مختلف جگہوں پہ ناکہ بندی کی جا رہی ہے' سی سی ٹی وی کیمروں کی فوٹیج کے ذریعے پتہ چلانے جانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ وہ کس کار میں سوار تھے۔ ایک دفعہ کار مل جائے تو پھر ان کو ڈھونڈنا آسان ہوگا۔'' پھر وہ اس کے سامنے بیٹھا جس کی آنکھیں رو رو کر گلابی ہو رہی تھیں۔

''سارہ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم ان کو شام سے پہلے ڈھونڈ کر لے آئیں گے۔''

سارہ نے بھیگی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''فارس میں اپنے بچوں کے بغیر کیا کروں گی۔ کیا اسے اللہ سے ڈر نہیں لگتا؟ وہ میرے بچے کیسے لے جا سکتا ہے۔''

''ہاشم سے ہر چیز کی امید کی جا سکتی ہے۔'' زمر نے جھرجھری لی تھی۔

''نہیں!'' سعدی نے سختی سے نفی میں سر ہلاتے چہرہ اٹھایا۔ ''ہاشم کسی کے بچے نہیں اٹھا سکتا۔ ہاشم.... میرا مطلب ہے.... وہ چھوٹے بچوں کو

اس سب میں انوالو نہیں کرے گا۔"

"تمہیں اب بھی ہاشم سے امید ہے۔" زمر نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "وہ بچوں کو یتیم کر سکتا ہے' دوسروں کی بہنوں کو استعمال کر سکتا ہے' کسی کے بچے کو ہسپتال سے اغوا کر سکتا ہے' مگر ہاں وہ بچوں کو اٹھوا نہیں سکتا۔"

"پتہ نہیں۔" سعدی نے سر جھٹکا۔

"اس نے نوٹ پہ اپنے نام کا حرف سائن کیا ہے سعدی۔" سارہ روتے ہوئے بولی تھی۔ "اور وہ نوٹ پر مخذ ہے' ہم اس سے کچھ ثابت نہیں کر سکتے' مگر وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔" پھر اس نے فارس کو دیکھا۔ "پلیز میرے بچے واپس لا دو مجھے۔ کچھ کرو فارس۔"

"میں آپ سے کہہ رہا ہوں نا سارہ' وہ شام سے پہلے گھر ہوں گی۔ آپ تھوڑا سا حوصلہ کریں۔" وہ اسے مسلسل تسلی دے رہا تھا۔ سعدی اٹھ کر ایک دم باہر نکل گیا۔ زمر چند لمحے بعد اس کے پیچھے گئی۔

وہ برآمدے میں رکھی کرسی پہ بیٹھا' دور آسمان کو دیکھتا کچھ سوچ رہا تھا۔ وہ بہت اداس لگتا تھا جیسے اس کا بہت کچھ سورج کی حدت میں بھاپ بن کر اڑ گیا ہو۔ کھو دیا ہو۔

"ہاشم ایسا کر سکتا ہے سعدی۔"

"ہاں واقعی۔ اس دنیا میں کوئی کچھ بھی کر سکتا ہے۔" سعدی نے تلخی سے سر جھٹکا۔ وہ اس کے کندھے کے پیچھے کھڑی رہی' بیٹھی نہیں۔ اور وہ اسی طرح دور آسمان کو دیکھتا رہا۔

"تو تم نے دو لوگوں کی جان لی تھی!" اس نے موضوع چھیڑا۔ سعدی کے اندر تک اداسی سی اتر گئی' مگر بہت ضبط سے اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"سیلف ڈیفنس۔"

"ہاشم تم پہ حملہ کروا سکتا ہے تو کچھ بھی کر سکتا ہے۔"

"وہ سب ہاشم نے نہیں اس کی ماں نے کروایا تھا۔"

"کیوں؟" وہ چونکی۔ یہ بات اس کے لئے نئی تھی۔

"وہ مجھ سے خوفزدہ تھیں۔ میرے پاس ایک راز ہے ان کا۔"

"کیسا راز؟" عقب سے آتے فارس نے پوچھا۔ وہ بھی اس بات پہ چونکا تھا۔ زمر نے مڑ کر اسے دیکھا۔ دونوں نے حیران نظروں کا تبادلہ کیا' مگر سعدی اسی طرح بیٹھا رہا۔

"ابھی بتانے کا فائدہ نہیں ہے۔ اور اس وقت تو قطعاً نہیں۔" پھر اس نے آنکھوں کو انگلیوں سے مسلا۔ "مجھے سارہ خالہ کو کبھی یوں فورس نہیں کرنا چاہیے تھا گواہی کے لئے۔ یہ سب میری غلطی ہے۔ یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔ میں ذمہ دار ہوں اس سب کا..."

فارس نے اکتا کر اسے دیکھا۔"Will you please shutup?" اور واپس اندر کی طرف مڑ گیا۔ ماحول ہنوز بوجھل تھا اور وہ دونوں بالکل چپ کھڑے تھے۔ کہنے کو گویا کچھ بھی نہیں رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کوئی بھی زعم' کوئی بھی دعویٰ نہیں رہا

خود پر مجھے کسی کا بھی دھوکہ نہیں رہا

اس شام قصرِ کاردار میں رنگ و بو کا سیلاب سا نظر آتا تھا۔ سارے گھر' اور سبزہ زار کے درختوں کو خوبصورت روشنیوں سے سجایا گیا تھا۔ وسیع و عریض لونگ روم اور ڈائننگ ہال میں سونیا کی سالگرہ کی themed party زور و شور سے جاری تھی۔ اگلے ہفتے سونیا کو اسکول ٹرپ کے ساتھ باہر جانا تھا اس لئے سالگرہ آٹھ دن پہلے منعقد کی گئی تھی۔ کیک کٹ چکا تھا۔ مہمان ٹولیوں کی صورت گھر کے اندر ادھر ادھر ٹہل رہے تھے۔ احمر کان میں لگے آلے کو درست کرتا سیکیورٹی کے امور کا جائزہ لے رہا تھا۔ غرض معمول کی مصروفیات جاری تھیں۔ ایسے میں جواہرات مسکرا کر چند حضرات کو کہہ رہی تھی۔

"میں یقیناً اس دنیا کی خوش قسمت ترین عورت ہوں۔ جس کے دو جوان بیٹے اس کے دونوں بازو بنے ہوں، اس کا سہارا ہوں، اور ماشاء اللہ دونوں اپنے بزنس میں سیٹ بھی ہوں، اس سے زیادہ لکی کون ہوگا؟" تفاخر سے وہ کہہ رہی تھی اور سامنے والے تائید کر رہے تھے۔

ادھر ہاشم دو افراد سے ہنستے ہوئے باتوں میں مگن تھا۔ آنکھ کے کنارے سے وہ آبدار کو بھی دیکھ رہا تھا جو سب لوگوں کے درمیان بھی الگ تھلگ سی کھڑی دکھائی دیتی تھی۔ وہ بار بار اپنے موبائل کو دیکھتی جیسے بور ہو رہی ہو۔ Aqua تھیم کی پارٹی میں جہاں ہر شخص نے سمندری مخلوق جیسے کپڑے پہن رکھے تھے۔ (کیونکہ سونیا کا نیا کرش finding dori کے ٹریلر کے بعد سمندری مخلوق تھی) آبدار نے nemo کا نارنجی رنگ زیب تن کر رکھا تھا' مگر سرکار دمال سرخ ہی تھا۔ وہ اداس اور بور نظر آتی تھی۔ ہاشم گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے کنکھیوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ خود مکمل سفید سوٹ میں ملبوس تھا اور سونی کے پوچھنے پہ اس نے کہا تھا کہ وہ آئس برگ ہے۔ برف کا تو وہ جو نیلے سمندر میں سر اٹھا کر کھڑا ہوتا ہے۔ نہ پگھلتا ہے نہ ٹوٹتا ہے اور بڑی بڑی کشتیوں کو ڈبو دیتا ہے۔ سونی اسے کافی دیر خاموش ہو کر دیکھتی رہی تھی۔

"میرا میسج ملا آبدار؟" جواہرات کی آواز پہ آبی چونک کر مڑی۔ سامنے بنی سنوری مسکراتی ہوئی جواہرات کھڑی تھی۔ لباس شارک کے جیسا سلور تھا۔ اور آنکھوں میں بھی ویسی ہی تندی تھی۔

"مل گیا تھا۔ اور میں نے اس ویڈیو کو تباہ کر دیا ہے۔ مکمل ختم۔ اب کوئی آپ کو اس کے ذریعے بلیک میل نہیں کر سکتا۔ اس لئے بے فکر رہیے۔" وہ بے زاری سے گویا ہوئی۔

"مجھے یقین نہیں ہے۔" جواہرات بظاہر مسکرا کر بولی تھی۔

"تو میں کیا کروں؟" وہ شانے اچکا کر اکھڑ سے انداز میں بولی تھی۔

یہاں سے ہاشم کو آوازیں نہیں سنائی دیتی تھیں مگر انداز سارے عیاں تھے۔ وہ ان دونوں کے بیچ کی ساری حدت محسوس کر سکتا تھا۔ سو اپنے مصاحبین سے معذرت کر کے آبی کی طرف آیا۔

"رئیلی۔ تم ٹھیک ہو؟" نرمی سے اسے پکارا۔ جواہرات اس کی آواز سنتے ہی آگے بڑھ گئی۔ البتہ آبی اسے دیکھ کر جبراً ذرا سا مسکرائی۔

"ہاں۔ بالکل۔" پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔ "سونیا کی سالگرہ کی تقریبات کی بہت شہرت سنی تھی کراچی میں۔ یہ پہلی دفعہ ہے کہ میں اس میں شرکت کر رہی ہوں اور۔ کافی لطف اندوز ہو رہی ہوں۔"

"مگر...." وہ مسکراتے ہوئے اسے غور سے دیکھ کر بولا۔ "مجھے ایسا لگتا ہے تم بار بار کسی کے میسج یا کال کے انتظار میں ہو۔"

آبی کی رنگت ذرا بدلی، مگر سنبھل کے مسکرائی۔ "بابا نہیں آئے نا۔ تو سوچ رہی ہوں ان کے آنے کی امید رکھوں یا نہیں۔"

"اچھا۔" اس نے سر کو خم دیا۔ مگر اسے یقین نہیں آیا تھا.... یہ تڑپ یہ بے تابی سب بہت عیاں تھا۔

دور کھڑی شہرین نے گلاس سے گھونٹ بھرتے ہوئے تیکھی نظروں سے اس منظر کو دیکھا تھا۔ ہاشم ایک نئی اڑان کی تیاریوں میں تھا۔ یوں شہری کا تعلق اس محل سے ٹوٹنے کے قریب تھا۔ یہ شاہزادی اسے کہاں داخل ہونے دے گی دوبارہ؟ اب وہ کیسے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹے اس کا ذہن ناکام قسم کے تانے بانے بن رہا تھا۔ فرسٹریشن ہی فرسٹریشن تھی۔ وہ کیا کرے؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میں چاہتا ہوں دل بھی حقیقت پسند ہو

سو کچھ دنوں سے میں اسے بہلا نہیں رہا

شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ سارہ کے لاؤنج میں بیٹھے افراد کی سوگواریت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ کسی نے بتیاں نہیں جلائی تھیں۔ پورچ اور ٹی وی کی روشنی نے ہی کمرے کو مدھم سا روشن، مدھم سا اندھیر کر رکھا تھا۔ ایسے میں فارس بیرونی دروازے سے داخل ہوا تو سعدی بے اختیار کھڑا ہوا۔ سارہ نے بھی امید سے اسے دیکھا۔ اس کے آنسو اب خشک تھے مگر آنکھیں سرخ تھیں۔ ان میں امید بھی تھی اور خوف بھی۔

"کیا ہوا؟ کچھ پتہ چلا۔"

فارس نے مایوسی سے نفی میں سر ہلایا۔

"کسی نے انہیں جاتے نہیں دیکھا، کسی جگہ نہیں ہیں وہ۔"

سارہ اسے دیکھتی رہی۔ پلکیں گرائیں نہیں۔ بس خشک آنکھیں اس پہ جمائے رکھیں۔ وہ سعدی کو کیس کی پراگریس بتا رہا تھا۔ پولیس کے ناکے، سی سی ٹی وی ٹریل، یہ وہ۔

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔" ایک دم سارہ پھٹ پڑی تھی۔ سب نے چونک کر اسے دیکھا۔

"تم سب ذمہ دار ہو۔" وہ گلابی آنکھوں سے نفرت سے فارس اور سعدی کو دیکھ رہی تھی۔

"تم لوگوں نے میرے بچوں کو ایک اور تجربے کی بھینٹ چڑھا دیا ہے۔ یہ سب تم لوگوں کی وجہ سے ہوا ہے۔ اسی لئے نہیں رکھتی تھی میں تم سے کوئی تعلق۔ اسی لئے تمہاری طرف آنا جانا چھوڑ رکھا تھا' کیونکہ تم لوگوں کی وجہ سے میں مصیبت میں پڑوں گی' میرے بچے نقصان اٹھائیں گے۔ تم لوگوں نے دھکیلا ہے ہمیں اس سب میں۔"

لاؤنج میں سناٹا چھا گیا۔ کوئی کچھ نہیں بول پا رہا تھا۔

"سارہ' وہ بچوں کو نقصان نہیں دے گا' تھوڑا سا صبر کریں' ہم...." فارس نے کہنا چاہا۔

"صبر؟" وہ ایک دم اٹھی' کشن پرے پھینکا اور فارس کو دیکھ کر غرائی۔ "کتنا صبر؟ آٹھ ماہ صبر کروں جیسے سعدی کی ماں نے کیا؟ آٹھ ماہ سے پہلے تو نہیں چھوڑیں گے وہ میرے بچوں کو۔ نہ کوئی کال آئے گی' نہ تاوان مانگا جائے گا۔ میں تو پہلے ہی نہیں دے رہی تھی گواہی' پھر کیوں اٹھایا میرے بچوں کو۔" آنسو پھر سے اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ بہنے لگے تھے۔ "میں نے تو بار بار کہا تھا سب کو کہ میں گواہی نہیں دوں گی۔ پھر کیوں کی میری گود خالی؟"

"آپ کوئی گواہی مت دیں سارہ' بس دعا کریں' ہم انہیں ڈھونڈ لیں گے۔" زمر نے کہنا چاہا مگر اس نے سر جھٹک دیا۔ اب کسی کی کسی بات سے فرق نہیں پڑتا تھا۔ اس کا غم اب غصے میں بدلنے لگا تھا۔

فارس جو ابھی تک کھڑا تھا خاموشی سے واپس مڑا تو سعدی بول اٹھا۔

"آپ کدھر جا رہے ہیں؟"

"ہاشم سے ملنے۔" وہ سپاٹ سرد سے انداز میں بولا تھا۔

"میں بھی آؤں گا۔" وہ اس کی طرف لپکا تو زمر وہیل کر آگے آئی۔

"پاگل ہو تم سعدی؟ اس کے گھر دعوت ہے آج' ایک دنیا ہوگی وہاں۔ تم نہیں جا سکتے ادھر۔ تم اس سے نہیں مل سکتے۔"

"مگر مجھے جانا ہے!" وہ وحشی لگتا تھا۔

"تم یہیں رکو' صرف میں جا رہا ہوں۔ میں نے کہا واپس بیٹھو...." فارس نے سختی سے منع کیا تو سعدی برے موڈ کے ساتھ صوفے پہ بیٹھا۔ وہ باہر نکلا ہی تھا کہ اپنے پیچھے قدموں کی آواز آئی۔ وہ اکتا کر گھوما۔

"سعدی میں نے بولا ہے نا' تم....." وہ ٹھہر گیا۔ سارہ پیروں میں چپل ڈالتی آنکھیں رگڑتی آ رہی تھی۔

"میں تمہارے ساتھ جا رہی ہوں۔"

"ہرگز نہیں سارہ!" وہ تیزی سے پریشان ہو کر بولا تھا۔ سارہ نے رک کر اسے دیکھا تو آنکھوں سے آگ کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔

"تم مجھے روک سکتے ہو؟ تم مجھے روک سکتے ہو کیا؟"

اور فارس کو احساس ہوا وہ واقعی اسے نہیں روک سکتا۔ وہ اس وقت صرف ایک ماں تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یوں پھر رہا ہوں کانچ کا پیکر لئے ہوئے
غافل کو یہ گمان ہے کہ پتھر نہ آئے گا

قصرِ کاردار کے لونگ روم میں اونچے سروں میں بجتی موسیقی اپنے عروج پہ تھی۔ کھانا کھایا جا رہا تھا۔ قہقہے گونج رہے تھے۔ ایسے میں اس سب سے بے نیاز نوشیرواں اپنے کمرے میں بے سدھ لیٹا' چھت کو تک رہا تھا۔ باہر کا ماحول اسے بے زار کر رہا تھا۔ وہ تیار تک نہیں ہوا تھا۔ یونہی شب خوابی کے لباس میں لیٹا تھا۔ دراز آدھی کھلی نظر آتی تھی' اور اندر رکھی پڑیاں ملفوف دکھائی دیتی تھیں' گویا سفید پاؤڈر کی طلب سے دراز کھولی مگر بے زاری سے وہیں چھوڑ دی۔ آج اس سے بھی دل اچاٹ ہو گیا تھا۔ اب کوئی غم یوں مٹانے سے نہیں مٹتا تھا۔ اب کیا دوا کی جائے اس مرض کی؟

نیچے لاؤنج میں آؤ تو ہاشم ایک دفعہ پھر آبدار کے قریب آ کھڑا ہوا تھا۔ دونوں نے ہاتھوں میں پلیٹیں اٹھا رکھی تھیں اور وہ بات کرنے کے ساتھ کھا بھی رہے تھے۔

"نہیں... کیس لڑ رہا ہوں۔" اس نے نگاہیں آبی کے چہرے پہ جمائے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ آبی نے نگاہیں چرائیں۔

"نہیں... نکال رہا ہوں اپنے خاندان کو اس میں سے۔" وہ اسے باآور کروا رہا تھا۔

"اس سے کیا ہوتا ہے۔ میں اب آگے بڑھ چکی ہوں۔" وہ ادھر ادھر دیکھتی ایک دم غیر آرام دہ سی لگنے لگی تھی۔

"مگر یہ سب تم چاہتی تھیں۔" آبی نے آنکھوں میں ایک دم تندی بھر کے اسے دیکھا۔

"لیکن کیا تم نے میرے کہنے پہ یہ کیا؟ ہرگز نہیں۔ اب مجھے نہیں پتہ کہ تم نے یہ کیوں کیا مگر تم نے مجھے صاف انکار کر دیا تھا' مائی ڈیئر گریم ریپر۔ اور اب تم خود کو اس اسکینڈل سے نکال لو تو بھی کیا۔ تمہاری پارٹی میں اس دفعہ اتنے لوگ نہیں آئے کہ تم لان بھر سکو۔ اور جو آئے ہیں وہ مسلسل ٹرائل کی باتیں کر رہے ہیں۔"

ہاشم کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کر ابھری۔ اس سے پہلے کہ وہ بہت ضبط سے کچھ کہتا' کان میں لگا آلہ کچھ بولا۔ ہاشم کے تاثرات اچنبھے میں بدلے۔

"فارس؟ آر یو شیور؟ وہ ادھر کیوں آیا ہے۔" کان پہ ہاتھ رکھ کے وہ کف لنک میں لگے آلے میں بولا تھا۔ وہ جتنا حیران ہوا تھا' آبی اتنی ہی چونکی تھی۔

"فارس آیا ہے؟" وہ بے اختیار بولی تھی۔ ہاشم تیزی سے باہر کو لپکا۔ وہ چند لمحے تو ہکا بکا کھڑی رہی پھر اس کے پیچھے بھاگی۔

گیٹ کے باہر نیچے کو جاتی سڑک پہ کار کھڑی تھی اور دو افراد دروازے کے ساتھ کھڑے نظر آ رہے تھے۔ ان کے گرد آدھ درجن گارڈز چوکنے سے کھڑے تھے۔ گویا ادھر وہ کوئی حرکت کریں' ادھر وہ انہیں شوٹ کر دیں۔ ہاشم تیز قدموں سے چلتا داخلی چوکی تک آیا۔ اسے دیکھ کر سب اس طرف متوجہ ہوئے۔

"کیا مسئلہ ہے؟ کیا ہو رہا ہے؟" گھر کی بیرونی چار دیواری کی تیلیوں کے باعث سارا منظر صاف دکھائی دیتا تھا۔ ہاشم گیٹ کے قریب آیا اور اسے کھولا۔

فارس اس کے پکارنے پہ اس طرف گھوما۔ ہاشم کے کندھے کی اوٹ سے آبی نے دیکھا۔ وہ رف سی جینز اور پوری آستین کی شرٹ میں ملبوس تھا۔ اس کی آنکھوں میں غصہ تھا اور ماتھے پہ گہری سلوٹیں۔ وہ تیر کی سی تیزی سے ہاشم کی طرف لپکا اور اسے گریبان سے پکڑا۔

"کدھر ہیں ایل اور نور؟ ہاں؟" وہ غرایا تھا۔ جہاں آبی سن رہ گئی وہاں بہت سی گنز اس کی طرف تن گئیں۔

"Hands off!"

ہاشم نے جھٹکے سے اس کے ہاتھوں کو نیچے جھٹکا۔ اور ایک قدم پیچھے گیا۔ ایک گارڈ نے گیٹ بند کر دیا۔ ایسے میں سارہ بھر کر گیٹ کے قریب آئی۔

ہاشم اب سلاخوں والے دروازے کے پار کھڑا تھا۔ وہ اس سے دو فٹ فاصلے پہ رکی' اور سرخ انگارہ آنکھیں اس پہ جمائے بلند ساغرائی۔

"میرے بچے کہاں ہیں؟"

ہاشم نے کالر جھاڑتے ایک نظر اسے دیکھا' دوسری اپنے کندھے کے پیچھے کھڑی حیران سی آبدار پہ ڈالی۔ پھر چہرے پہ برہمی لاتے ہوئے بولا۔ "مجھے نہیں پتہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔"

"ہاشم کاردار... تمہارے آدمی صبح میری بچیوں کو اغوا کر کے لے گئے تھے۔ میں... ان کی ماں... ان کے باپ کے قاتل سے پوچھنے آئی ہوں کہ وہ دونوں کہاں ہیں۔" وہ چلا کر بولی تھی۔ فارس اس کے عین پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔ ایک گارڈ اس کے چلانے پہ برہمی سے اس طرف بڑھنے لگا تو فارس نے فوراً جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ایک دم سے بہت سی گنز کے لوڈ ہونے کی آواز آئی۔ فارس نے آہستہ ہاتھ باہر نکالا تو اس میں سیل فون تھا۔

"اگر تم لوگوں نے ہمارے ساتھ ذرا سا بھی غلط سلوک کرنے کی کوشش کی تو میں ایک بٹن دباؤں گا اور سوشل میڈیا پہ یہاں کی live feed جانا شروع ہو جائے گی۔ ہزاروں لاکھوں لوگوں کے سامنے تم اور تمہارے بندے آن ایئر ہوں گے' اس لئے بندوقیں... نیچے... کرو۔" وہ جھڑک کر بولا تھا۔ آبی صرف اس کا چہرہ تک رہی تھی۔ وہ ابھی تک سُن تھی۔

"ہوا کیا ہے؟" ہاشم نے بے زاری سے اس کی بات کاٹی' ساتھ ہی گارڈز کو اشارہ کیا' انہوں نے اسلحہ نیچے کر لیا۔

"ہاشم میرے بچے کہاں ہیں؟" وہ پھر حلق کے بل چلائی تھی۔

"میں آپ سے پوچھ رہا ہوں ڈاکٹر صاحبہ کہ ہوا کیا ہے۔" وہ چبا چبا کر بولا تھا۔

"ہاشم!" وہ ایک قدم مزید آگے آئی' اور ان آہنی سلاخوں کو تھاما جو دونوں کے بیچ حائل تھیں۔ نگاہیں لمحے بھر کے لئے بھی اس کے چہرے سے ہٹائے بغیر وہ غرائی تھی۔ "تم کیا سمجھتے ہو؟ میں کوئی ڈرپوک عورت ہوں۔ بزدل ہوں؟ تم نے سمجھا کیا ہے مجھے؟ ایک کم ہمت عورت؟" حقارت سے اس نے سر جھٹکا۔ "ہاشم کاردار' میں وہ عورت ہوں جس کے نیچے دو ہزار مرد تھر کے ان صحراؤں میں کام کرتے ہیں جہاں تمہارا یہ ائیر کنڈیشنڈ پہ پلنے والا جسم دس منٹ میں پگھل جائے۔ میں وہ عورت ہوں جو میزائل بناتی ہے' bombs بناتی ہے۔ میں اگر محتاط تھی' تمہاری طرف سے مصلحت سے کام لے رہی تھی' تو اس کو تم میری کمزوری مت سمجھنا۔ میری انگلیوں کے چند clicks اور ایک ڈرون کی مار ہے تمہارا یہ سارا محل۔ میں اس قابل ہوں ہاشم کہ تمہیں تمہارے اس محل سمیت زمین بوس کرنے میں مجھے چند کلکس اور ایک ڈرون کی ضرورت ہو گی۔ اور یقین مانو' میرے خلاف کوئی ایف آئی آر بھی نہیں کٹے گی' کیونکہ میں حساس ادارے کی سائنسدان ہوں۔ میرے پاس بہت سی پروٹیکشنز ہیں۔ سو میری بات سنو' اگر..... " انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔ "میرے بچے ایک گھنٹے کے اندر اندر واپس گھر نہ آئے تو تم دیکھنا میں تمہارے ساتھ کیا کرتی ہوں۔"

"Sorry to Interrupt" ہاشم پرسکون سا کھنکھار کر بولا۔ "مگر آپ لوگ یہ ڈرامہ کہیں اور جا کر کریں تو زیادہ بہتر ہو گا۔ سوشل میڈیا پہ چند hits لینے کے لئے اس طرح کے ناٹک کرنا انتہائی گری ہوئی حرکت ہے۔ میں..... بچوں سے جنگ کرنے والا آدمی نہیں ہوں۔" حقارت سے ان کو دیکھا اور پھر ہاتھ جھلا کر اشارہ کیا۔ "ناؤ گیٹ لاسٹ پلیز۔ میں ذرا مصروف ہوں۔" اور واپس مڑ گیا۔ سارہ ابھی تک اونچی آواز میں کچھ بول رہی تھی' شاید وہ بددعائیں دے رہی تھی۔ فارس اب اسے واپس لے جا رہا تھا مگر وہ غصے سے چلائے جا رہی تھی۔

ہاشم چند قدم چل کر رکا۔ اور چونک کے آبی کو دیکھا۔ وہ پیچھے آتے آتے رک گئی تھی۔ بالکل ششدر۔ گم صم۔

"تم نے ان کے بچے اغوا کر لئے؟" وہ بے یقین تھی۔

"اوہ کم آن۔" وہ کراہا تھا۔ "یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ میں نے کسی کو اغوا نہیں کیا۔"

آبی نے ایک ملامتی نظر اس پہ ڈالی اور نفی میں سر ہلایا۔ "سعدی کی دفعہ بھی تم نے یہی کہا تھا۔"

ہاشم چند لمحے کے لئے کچھ بول نہیں سکا۔ اس کے منہ پہ جیسے آبی نے ایک دفعہ پھر بیلچہ دے مارا تھا۔ وہ اس کو تاسف سے دیکھتی آگے بڑھ گئی تھی' اور وہ بالکل منجمد کھڑا رہ گیا تھا۔ برف کے مجسمے جیسا۔ ٹھنڈا اور بے جان۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جو بھی آتا ہے بتاتا ہے نیا کوئی علاج

بٹ نہ جائے تیرا بیمار مسیحاؤں میں

سارہ جب واپس گھر میں داخل ہوئی تو وہ کافی تھکی تھکی دکھائی دے رہی تھی۔ فارس خاموشی سے اس کے پیچھے آ رہا تھا۔ رات اترنے لگی تھی اور ساری امیدیں دم توڑتی جا رہی تھیں۔ انہیں آتے دیکھ کر سعدی اور زمر بے اختیار کھڑے ہو گئے تھے۔

"کچھ پتہ چلا؟ کیا کہا اس نے؟" سعدی نے پوچھا تھا۔ زمر چپ رہی۔ بالکل چپ۔

فارس نے محض نفی میں سر ہلایا۔ سارہ چپ چاپ صوفے پہ بیٹھ گئی۔ گھٹنوں پہ تھوڑی جما دی اور خشک آنکھوں سے دور خلاء میں دیکھنے لگی۔

سب خاموش ہو گئے۔ لاؤنج میں عجیب وحشت زدہ سا سناٹا چھا گیا۔ سانسوں کی آواز سنائی دیتی تھی یا خشک آنسوؤں کی۔

"پولیس..." زمر نے فارس پہ نگاہیں جمائے یک لفظی استفسار کیا۔ اس نے گہری سانس لی۔ "کچھ معلوم ہو گا تو وہ بتائیں گے۔ ابھی تک تو کچھ پتہ نہیں چلا۔" زمر بس اسے دیکھتی رہی۔ کچھ بولی نہیں۔ وہ کچھ سوچ بھی رہی تھی۔

جانے کتنے منٹ گزرے، کتنی گھڑیاں بیتیں جب باہر آوازیں سنائی دیں۔ ہلچل۔ بولنے کی آوازیں۔ گاڑی کے کھلتے بند ہوتے دروازے۔ انجن کے چلنے رکنے کی آواز۔ ال کی آواز۔ فارس تیزی سے اٹھا مگر سارہ اس سے پہلے ہی ننگے پیر باہر بھاگی تھی۔ برآمدے میں آ کر وہ رک گئی۔ گویا منجمد ہو گئی۔

گیٹ سے ال اور نور اندر داخل ہو رہی تھیں۔ وہ ساتھ میں مسلسل بولتی جا رہی تھیں۔ ان کے ہاتھوں میں گفٹ پیکس تھے اور شاپنگ بیگز بھی۔ سارہ یک ٹک ان کو دیکھے گئی۔ پھر کوئی سکتہ سا ٹوٹا۔ وہ بھاگی اور ان دونوں کو خود سے لپٹا لیا۔ ان کے چہرے چھوئے۔ بالوں پہ ہاتھ پھیرا۔ پریشانی سے وہ ان کو جیسے ٹٹول رہی تھی۔

"تم ٹھیک ہو؟ تم لوگ کدھر تھے؟ انہوں نے تمہیں کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا؟" وہ بے تابی سے پوچھ رہی تھی۔ بچیاں اس کے انداز سے ایک دم الجھن کا شکار ہو گئی تھیں۔ اور تبھی سارہ کو احساس ہوا کہ گیٹ سے کوئی اور بھی اندر داخل ہو رہا ہے۔ بجلی کی سی تیزی سے اس نے چہرہ اٹھایا۔

"ہم ان کو نقصان کیوں پہنچائیں گے سارہ خالہ؟" اندر داخل ہوتی حنین بہت برا مان کر بولی تھی۔ اس کے ہاتھ میں بھی شاپنگ بیگز اور گفٹ ریپر کی رول شدہ sheets تھیں۔ سارہ نے بچیوں کے ہاتھ چھوڑ دیے۔ وہ متحیر سی کھڑی ہوئی۔ بے یقینی سے حنین اور اس کے پیچھے آتے سیم کو دیکھا۔

"حنین.... بچے تمہارے ساتھ تھے؟" پیچھے سے سعدی حیران سا آگے آیا تھا۔ زمر اور فارس نا سمجھی کے عالم میں برآمدے میں ہی رک گئے تھے۔

"ہا!" سعدی کو دیکھ کر بچیوں نے خوف سے چیخ ماری۔ "اوہ نو۔"

"آپ ادھر کیا کر رہے ہیں بھائی۔" حنین پریشانی سے چلائی تھی۔ پھر ان تینوں کزنز نے اپنے ہاتھ میں پکڑے گفٹس کو دیکھا۔ "سارا سرپرائز خراب کر دیا۔"

''تم.... تم لے کر گئی تھیں ان کو حنین؟'' سارہ کے لب بے یقینی سے پھڑپھڑائے تھے۔

''کیا مطلب؟ آپ کو میرا نوٹ نہیں ملا؟ سوری میں نے آپ سے پوچھا نہیں' مگر صبح صبح پروگرام بنا' اور ہم لوگ جلدی میں تھے۔ کل بھائی کی سالگرہ ہے نا' ہم نے سرپرائز برتھ ڈے پارٹی کی تیاری کرنی تھی۔ صبح سے شاپنگ کر رہے ہیں' اور پھر ریسٹورانٹ کے اوپری ہال کو سجا رہے ہیں۔ اُف پورے دن کی محنت اور سارا سرپرائز ختم ہو گیا۔'' وہ روہانسی ہو کر کہہ رہی تھی۔

''حنین تم میرے بچوں کو مجھ سے پوچھے بغیر کیسے لے جا سکتی ہو؟'' سارہ حلق کے بل چلائی تھی۔ حنہ نے حیرانی سے انہیں دیکھا۔ ایک دم سعدی اور سارہ اس پہ ایک ساتھ غصہ کرنے لگے تھے۔

''حنین تم اتنی غیر ذمہ دار ہو۔ حنین تمہیں احساس ہے تم نے کیا کیا ہے۔''

''کیا یار۔ میری کزنز ہیں۔ میں لے جا سکتی ہوں۔ اور امی تھیں ریسٹورانٹ میں ہمارے ساتھ۔ وہ تو آج سگنل نہیں آرہے تھے' نہ مال میں نہ ریسٹورانٹ میں ورنہ میں کال کر دیتی۔ کیا ہوا؟ آپ لوگ غصہ کیوں کر رہے ہیں؟''

''ماما آج اتنا مزا آیا۔''

''لیکن اب تو سارا سرپرائز خراب ہو گیا۔'' وہ تینوں لڑکیاں ایک ساتھ بول رہی تھیں۔ اور اسامہ بھی شامل ہو گیا تھا۔

''آپ کو چوکیدار چاچا نے نہیں بتایا؟ شاید یہ اس وقت ادھر تھے نہیں۔ ورنہ ہمارے ساتھ ریسٹورانٹ کا ڈرائیور تھا اور.....''

وہ چاروں بچے' اس وقت بڑوں کے شدید عتاب اور لعن طعن کے زیر اثر تھے۔ وہ الگ روہانسے ہو رہے تھے کہ آپ نے ہمارا سارا سرپرائز خراب کر دیا۔ مگر سارہ نہیں سن رہی تھی۔ وہ ڈانٹے جا رہی تھی۔ اس نے تو اس نے ایک تھپڑ بھی لگا دیا تھا۔ فارس کچھ کہنے کے لیے آگے بڑھا تو زمر نے اسے بازو سے تھام کر اندر چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ قدرے حیران ہوا مگر اس کے انداز میں کچھ تھا جو وہ اس کے پیچھے آیا۔

لاؤنج میں آ کر وہ اس کی طرف گھومی اور سینے پہ بازو لپیٹ کر تند ہی سے اسے دیکھتی بولی۔ ''یہ کیا تھا؟''

''کیا مطلب کیا تھا؟ ایک غلط فہمی تھی۔'' وہ حیران ہوا تھا۔

''پتہ ہے میں صبح سے سوچ رہی تھی کہ تم ایسے بھاگ دوڑ نہیں کر رہے جیسے تمہیں کرنی چاہیے۔ ہر چیز پولیس پہ چھوڑے بیٹھے ہو مگر تمہارے اور سارہ کے جانے کے بعد میں نے ایس پی صاحب کو کال کی' اور پھر متعلقہ تھانے میں فون کیا تو معلوم ہوا کہ آپ نے سرے سے پولیس کو کال کی ہی نہیں تھی۔ اور صبح آپ نے مجھے منع کیا کہ میں ندرت بھابھی کو نہ بتاؤں۔ اور ماشاءاللہ تہجد کے وقت سے آپ جاگے ہوئے تھے آج' اور آپ نے بولا کہ حنین اور اسامہ سو رہے ہیں جبکہ وہ تو صبح سے نکلے ہوئے تھے۔ سو میرا نہیں خیال کہ یہ کوئی غلط فہمی تھی۔''

''اچھا' تو مجھے گرفتار کر لیں' پراسیکیوٹر صاحبہ!'' وہ اس کی طرف جھک کر تپانے والے انداز میں بولا تھا۔

''یہ سب تمہارا پلان تھا' ہے نا۔'' وہ دبا دبا سا غرائی تھی۔ احتیاط سے دروازے کو بھی دیکھ لیتی جس کے باہر وہ سب ابھی تک بول رہے تھے۔

''تم سارہ کو اتنا خوفزدہ کر کے کیا کرنا چاہ رہے تھے۔''

"آپ کے حکم کی تعمیل کر رہا تھا۔ کیوں؟ آپ نے نہیں کہا تھا کہ آپ چاہتی ہیں سارہ گواہی دیں۔"

"میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ اس کے بچے اغوا کرلو۔"

"اغوا کس نے کیے؟ وہ اپنے کزنز اور اپنی پھپھو کے ساتھ تھے۔ اور وقت پہ واپس بھی آ گئے۔"

"اگر سارہ کو ٹینشن سے کچھ ہو جاتا تو؟ کون ذمہ دار ہوتا؟" وہ صدمے میں تھی۔ "تم اتنے بے حس کیسے ہو سکتے ہو... وہ تمہارے بھائی کی بچیاں ہیں۔"

"جس سارہ کو میں جانتا تھا' جو وارث کی موت سے پہلے کی سارہ تھی' وہ بہت بہادر اور باہمت عورت تھی۔ مگر اس کے خوف نے اس کو اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ جو ڈوبنے سے ڈرتا ہو نا زمر' اسے پانی میں پھینک دینا چاہیے اور پھر چند ڈبکیاں دے کر نکال لینا چاہیے۔ اس کا سارا خوف زائل ہو جائے گا۔ پھر اسے پتہ چلے گا کہ پانی اس سے زیادہ طاقتور نہیں تھا۔ اور تب ہی اسے کشتی میں محفوظ رہنے کی قدر کا احساس ہوگا۔ وہ جان جائے گا کہ وہ خود کتنا خطرناک ہے' کتنا بڑا سروائیور ہے۔ میں صرف سارہ کو اس خوف سے نکالنا چاہتا تھا۔"

"تم پاگل ہو گیا؟ اگر اسے کچھ ہو جاتا تو؟" وہ شدید غصے سے بولی تھی۔ دروازے پہ آہٹ ہوئی تو وہ دونوں فوراً سے سیدھے ہوئے۔ سارہ مسلسل برہمی سے بولتی اندر آ رہی تھی۔

"انتہائی غیر ذمہ دارانہ رویہ تھا یہ تمہارا حنین۔ اور تم دونوں' کیا تم ماں سے پوچھے بغیر کہیں بھی چلی جاؤ گی؟" وہ ڈپٹ رہی تھی۔ کتنے کتنے خیالات آتے رہے اسے۔ اور وہ شاپنگ کر رہی تھیں؟ سالگرہ کا وینیو سجا رہی تھیں؟ نور نے منمنانے کی کوشش کی (حنہ نے کہا تھا ماما کو نہیں بتانا) مگر امل نے اسے کہنی مار کے چپ کروایا۔ (گرلز سیکریٹس۔ یونو)

"ماما سارا سرپرائز خراب ہو گیا ہمارا۔" امل اب الٹا اس پہ غصہ ہو رہی تھی۔ سارہ ان کو لے کر آگے چلی گئی تھی' اور سعدی باہر کھڑا ندرت کو فون کر کے ان کی خبر لے رہا تھا۔ ایسے میں حنین ان دونوں کے پاس آ کھڑی ہوئی اور معصومیت سے بولی۔

"سوری' بس وہ سگنلز کا پرابلم رہا آج تو....." زمر نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔

"ارے ہاں' تم کتنی معصوم ہو' تمہیں تو کچھ پتہ ہی نہیں تھا۔ یہ جو دو چار آلوں کو جوڑ کر تم لوگ جیمرز بنا لیتے ہو' وہ تو لگائے ہی نہیں ہوں گے تم نے ریسٹورانٹ میں تاکہ سگنلز بند ہو جائیں۔" حنین نے فوراً فارس کو دیکھا' اس نے آنکھوں میں اشارہ کیا۔ وہ پھر سر جھکاتے ہوئے گویا ہوئی۔

"اصل میں زمر....."

"چپ!" وہ گھرک کر بولی تھی۔ سارہ واپس آ رہی تھی۔ اور وہ بیک وقت غصے' ریلیف اور اکتاہٹ کا شکار تھی۔

" کل ہم سالگرہ پہ آئیں گے فارس' لیکن میں....." وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر حتمی لہجے میں بولی۔ " گواہی' کورٹ' ٹرائل' ان الفاظ کو سننا بھی نہیں چاہتی دوبارہ۔ میرا نام تم لوگ گواہوں کی فہرست سے خارج کرو' اور آئندہ مجھے کوئی کورٹ سمن نہ جاری ہو' سنا تم نے۔"

"ایسا ہی ہوگا۔" فارس نے سینے پہ ہاتھ رکھ کر اسے بھرپور تسلی دلائی تھی۔ سارہ نے گہری سانس لی۔ "میں کھانا لگواتی ہوں۔ بہت ہی hectic دن رہا آج کا۔ اب بیٹھ جاؤ۔ اس سب کو بھول کر کھانا کھانے کی کوشش کرتے ہیں۔" وہ جھنجلائی ہوئی سی کچن کی طرف گئی۔

سعدی فون بند کرتا ان کی طرف آیا اور ایک نظر سارہ کو آگے جاتے دیکھا۔ پھر سوالیہ نظروں سے فارس کو دیکھا۔ "کیا کہہ رہی تھیں وہ؟"

"وہ کہہ رہی تھیں کہ وہ گواہی دیں گی' لیکن ابھی ان سے اس بارے میں کوئی بات نہ کی جائے۔" سعدی تو سعدی' زمر اور حنین نے بھی بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"انہوں نے یہ نہیں کہا فارس!"

"انہوں نے یہی کہا ہے۔ ٹرسٹ می!" اس نے مطمئن سے انداز میں یقین دلایا تھا۔

"اب تو وہ بالکل گواہی نہیں دیں گی' تھینکس ٹو یو۔" غصے سے حنین کو دیکھا۔ "ہمارا سب سے اہم گواہ گنوا دیا ہے تم نے۔" اور سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔

حنین نے ناک سکوڑ کر "ہونہہ" کیا اور فارس کی طرف گھومی۔ "میرا خیال ہے آپ کو تیسری شادی کر ہی لینی چاہیے۔"

"میرا ابھی یہی خیال ہے!" وہ گہری سانس لے کر ملال سے بولا تھا۔ پھر گھڑی دیکھی۔ "میں ایک فون کر لوں۔" اور موبائل نکالتا آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماحول میرے گھر کا بدلتا رہا ہو اب

میرے مزاج کا تو ذرا سا نہیں رہا

قصر کی رونق ماند پڑ چکی تھی۔ مہمان رخصت ہو چکے تھے۔ جواہرات اپنے کمرے میں بیٹھی زیور اتار رہی تھی۔ شارک کا سلور گاؤن پیروں کو ڈھانپتا فرش پہ پھول کی مانند بکھرا پڑا تھا۔ باہر ملازم کیٹرنگ کا سامان سمیٹ رہے تھے اور گھر کو درست حالت پہ لا رہے تھے۔ ایسے میں ہاشم اپنے کمرے کو جاتی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ انداز میں تکان تھی۔ تبھی اس کا موبائل تھرتھرایا۔ اس نے نکال کر دیکھا تو لبوں پہ تلخ مسکراہٹ بکھر گئی۔ فارس غازی کالنگ۔

"کل جب میں جج صاحب کو بتاؤں گا تمہاری اس حرکت کا' کہ کیسے تم لوگوں نے میرے گیٹ پہ ڈرامہ مچایا' تو تمہارا کیس مزید خراب ہو گا۔" وہ فون کان سے لگائے مسکرا کر بولتا کمرے میں داخل ہوا۔ اور دوسرے ہاتھ سے کوٹ اتارنے لگا۔

"نہیں تم ایسا نہیں کرو گے۔" فارس غازی مطمئن سا بولا تھا۔ "بلکہ پولیس جو فصیح کے قتل کی انکوائری کر رہی ہے اس کو بھی تم رکوا کے اپنا دعویٰ واپس لے لو گے۔"

"اور میں ایسا کیوں کروں گا فارس؟" اس نے گہری سانس لے کر پوچھا تھا۔

"کیونکہ ایک ثبوت ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ سعدی یوسف نے وہ قتل سیلف ڈیفینس میں کیا تھا۔"

"تمہارے پاس ایسا کوئی ثبوت نہیں ہے۔" اس نے کوٹ پرے ڈالا اور حقارت سے بولا۔

"میرے پاس نہیں ہے' واقعی۔ کیونکہ اب وہ تمہارے پاس ہے۔"

"کون سا کھیل کھیل رہے ہو تم؟" ہاشم بےزار ہوا تھا' مگر وہ چونکا بھی تھا۔

"شاید تم نے اپنی ٹائی پن نہیں دیکھی۔ کیا پارٹی ابھی تک ختم نہیں ہوئی؟"

ہاشم نے بری طرح چونک کے گردن نیچے جھکائی۔ اس کی سلور ٹائی پہ سیاہ ٹائی پن ننھی تھی جو کافی اوپری لگ رہی تھی۔ اس نے تو آج ٹائی پن سرے سے پہنی ہی نہیں تھی تو یہ....؟ اسے فارس کا اپنا گریبان پکڑنا یاد آیا۔

"میں تمہیں یہ فائل ای میل بھی کر سکتا تھا' لیکن وہ کیا ہے کہ احمر شفیع سے خطرہ رہتا ہے' وہ ہر آنے جانے والی میل پہ نظر رکھے ہوئے ہوتا ہے۔ وہ تم سے زیادہ تمہاری ماں کا وفادار لگتا ہے مجھے' اس لئے مجھے امید تھی کہ وہ اسے تم تک پہنچنے نہیں دے گا۔ لیکن چونکہ میں تمہارا کزن ہوں' اور مجھے تم سے ہمدردی ہے' سو میں چاہتا ہوں کہ تم اسے ضرور دیکھو۔"

"کیا ہے یہ؟" وہ سختی سے بولا تھا۔ ٹائی پن اتار کر اب وہ اسے انگلیوں میں ٹٹول کر دیکھ رہا تھا۔

"تمہاری ماں کا اعمال نامہ!" اور لائن ڈیڈ ہو گئی۔ ہاشم کے کان سرخ ہوئے' ابرو بھنچ گئے۔ اس نے غصے سے دو چار گالیاں دے ڈالیں گو کہ وہ نہیں سن سکتا تھا' پھر تیزی سے اسٹڈی ٹیبل کی طرف آیا' ٹیبلیٹ اٹھایا اور یو ایس بی کا پلگ اس میں گھسایا۔ وہ کوئی پھندا' کوئی وائرس کچھ بھی ہو سکتا تھا' مگر اس کا ماتھا کسی اور شائبے کی بنیاد پہ ٹھنک رہا تھا۔

اسکرین روشن ہوئی اور اس پہ جواہرات کاردار کے آفس کا منظر عیاں ہوا۔ وہ اندر آنے والے کیمرہ مین کو خوش آمدید کہہ رہی تھی۔ آواز سے وہ فصیح لگتا تھا۔ ہاشم دم سادھے سنتا گیا۔ اس کا سانس گویا رک چکا تھا۔

"خاور کی زنجیریں کھول دو' اسے سعدی کے ساتھ کھلنے ملنے دو۔ وہ دونوں ہمارے لئے بے کار ہیں' میرا بیٹا یہ بات نہیں سمجھ رہا اس لئے اب وقت آگیا ہے کہ ہم خود کوئی قدم اٹھائیں کیونکہ میرا تجربہ کہتا ہے وہ دونوں فرار کا سوچ رہے ہوں گے۔" وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے جواہرات کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔ سارے الفاظ گڈمڈ ہو رہے تھے۔

"مگر ہو سکتا ہے فصیح کہ کسی دن خاور' سعدی کو قتل کر دے اور پھر خودکشی کر لے۔" اسکرین پہ مسکراتی ہوئی جواہرات کہہ رہی تھی۔ ہاشم اپنی جگہ سے اٹھا۔ ٹیب ہاتھ میں تھا اور ہاتھ گلابی سرخ پڑ رہا تھا۔

"تم کرو گے فصیح! اور اتنی صفائی سے کرو گے ایک رات یہ سب' کہ اگلی صبح ان دونوں کی لاشیں ملنے کے بعد تم یہ کہہ سکو گے کہ تم تو اس جگہ تھے ہی نہیں۔ میرے بیٹے کو خبر بھی نہیں ہو گی۔"

ہاشم کو سانس نہیں آ رہی تھی۔ اس کی رنگت غیظ و غضب سے سرخ پڑ رہی تھی۔ وہ ٹیب ہاتھ میں لئے دھڑ دھڑ زینے اتر رہا تھا۔ بار بار آستین

سے پیشانی صاف کرتا۔ اسے پسینہ بھی آ رہا تھا۔

جواہرات کے کمرے کا دروازہ اس نے جوتے کی ٹھوکر سے کھولا تھا۔ وہ جو سنگھار میز کے سامنے بیٹھی تھی' چونک کر گردن گھمائی۔ حیرت سے اسے دیکھا۔ "تمہیں کیا ہوا؟"

ہاشم نے ٹیبلیٹ اس کے سامنے جا کر پٹخا۔ "یہ کیا ہے ممی؟" اس کے سر پہ کھڑا اسے گھورتے ہوئے وہ غرایا تھا۔

گردن پہ موسچرائزر ملتے جواہرات کے ہاتھ سست ہوئے۔ اس نے ایک نظر ٹیبلیٹ کی اسکرین پہ چلتی ویڈیو کو دیکھا' اور پھر چہرہ اٹھا کر ہاشم کو دیکھا۔

"کیا ہے یہ؟" اس کی رنگت دھیرے دھیرے بجھ رہی تھی۔

"آپ نے فصیح کو حکم دیا تھا ان دونوں کو مارنے کا؟"

جواہرات نے بہت سا تھوک نگلا اور ٹشو نکال کر ہاتھ پونچھنے لگی۔

"میں نے جو بھی کیا تھا' بہت سوچ سمجھ کر تم دونوں کے لئے کیا تھا۔" وہ ٹھہرے ہوئے انداز میں بول رہی تھی۔ جب سے آبی کے پاس اس ویڈیو کی موجودگی کا اسے پتہ چلا تھا' وہ خود کو اس لمحے کے لئے تیار کرتی آئی تھی۔

"ممی!" ہاشم نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "آپ یہ سب کیسے کر سکتی ہیں؟"

"اگر یہ سب ہو جاتا تو ہم آج اس میس میں نہ ہوتے۔" وہ جواباً جھڑک کر بولی تھی۔ "نہ کوئی گواہ بچتا نہ کوئی ثبوت۔ یہ سب تمہیں کرنا چاہیے تھا مگر تم نے نہیں کیا تو اس خاندان کی حفاظت کے لئے مجھے یہ قدم اٹھانا پڑا۔ اور مجھے ایسے مت دیکھو۔ میں تمہاری ماں ہوں۔ اپنے خاندان کے لئے مجھے جو ٹھیک لگے گا' میں کروں گی۔"

"آپ نے مجھے دھوکہ دیا۔ آپ نے میری پیٹھ پیچھے اتنا بڑا کام کر دیا۔ ہارون کو راز دار بنایا مجھے نہیں۔" وہ غصے اور صدمے سے نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بہت سی ٹوٹی کرچیاں تھیں۔

"آپ دھوکے میں اس حد تک جا سکتی ہیں' میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔"

جواہرات کا دل کانپا' مگر وہ بظاہر خود کو سنبھالے اپنی جگہ سے اٹھی اور اس کا بازو تھامنا چاہا۔ "ہاشم' میں نے یہ تمہارے لئے کیا تھا۔"

"ہاتھ مت لگائیں مجھے۔" وہ اپنا بازو پیچھے کرتے ہوئے غرایا تھا۔

"میں نے ممی' آپ لوگوں کے مسئلے حل کرنے میں اپنی خوشیاں اپنی محبت سب کو ثانوی کر دیا ممی' آپ سے کبھی جھوٹ نہیں بولا' یوں دھوکہ نہیں دیا' اور آپ.... آپ میرے ساتھ اس حد تک خیانت کی مرتکب ہو سکتی ہیں۔"

"ہاشم میری بات ٹھنڈے دماغ سے سنو۔" اب کے اس کی آواز بھی کانپی تھی۔ آنکھوں میں آنسو چمکے تھے۔ مگر ہاشم نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"سعدی سچ کہتا تھا۔ وہ دونوں جیل سے اس لئے بھاگے تھے کیونکہ آپ ان کی جان لینا چاہتی تھیں۔ اور کیا کیا جھوٹ بولے ہیں آپ نے

مجھ سے؟ کیا میرے باپ کو بھی خاور نے مارا ہے یا خاور کی ڈھال تلے کسی اور کو بچا گئی ہیں آپ؟" وہ حلق کے بل چلایا تھا۔ غصہ' پسینہ' آنکھوں میں اترا خون۔ جواہرات اندر تک دہل گئی۔

"ہاشم! تم اپنی ماں پہ شک کر رہے ہو؟"

"یقین تو اب کبھی نہیں کروں گا آپ پہ۔ کبھی نہیں۔" وہ غصے سے چیخا تھا۔ وہ بے اختیار آگے بڑھی۔ "ہاشم ایک دفعہ میری بات سنو' میں...."

"میں نے کہا مجھے ہاتھ مت لگائیں۔ اکیلا چھوڑ دیں مجھے۔" غصے سے بازو چھڑاتا وہ باہر نکل گیا۔ جواہرات کے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ سیڑھیاں چڑھتے ہاشم کا موبائل تھرتھرایا۔

وہ تہی دست' تہی داماں کھڑی رہ گئی تھی۔ اس کی ساری دنیا لمحوں میں بکھر گئی تھی۔

وہ جو کچہری میں روز سجتی تھی' تو وہ نرا ڈرامہ تھی۔ اصل عدالت تو اب لگی تھی۔ جہاں نہ وکالت چلی تھی' نہ صفائیاں۔ اور وہ سارے فیصلے سنا کر چلا گیا تھا۔ وہ دل تھام کر زمین پہ بیٹھتی چلی گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کہتے نہ تھے ہمیشہ رہے گا نہ اتار نج

گزرے ہیں چند سال ہی، دیکھا نہیں رہا

اگلی صبح فوڈلی ایور آفٹر پہ ٹھنڈی سی اتر رہی تھی۔ ساری رات بارش ہوتی رہی تھی' اور اس بارش نے گویا ساری زمین دھو ڈالی تھی۔ ریستوران کے اوپری ہال کے شیشے کی دیوار پہ بوندوں کے سوکھ جانے کے نشان اب بھی موجود تھے۔ وہ ہال غباروں اور دیواروں پہ لگے خوبصورت بیک ڈراپ سے سجا تھا۔ میز پہ تحفے' کیک کا بچا کھچا حصہ' برتن وغیرہ رکھے تھے۔ آگے پیچھے بہت سی کرسیاں رکھی تھیں جن پہ وہ لوگ ٹولیوں کی صورت بیٹھے تھے۔ تقریب گویا ختم ہونے کے قریب تھی' اور کھانا کھایا جا چکا تھا۔ خیر کھانا کیا تھا' سنڈے برنچ تھا۔ پرسوں کے بجائے آج ہی کر لی گئی تھی دعوت' یوں اس برس نہ سونیا کی سالگرہ اصل تاریخ پہ منائی گئی نہ سعدی کی۔

ایک طرف دو کرسیاں ترچھی کر کے رکھی تھیں۔ ایک پہ زمر میٹھی پلیٹ اٹھائے کیک کو کانٹے سے توڑنے میں مگن تھی۔ دوسری پہ فارس ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا' سوفٹ ڈرنک کے گھونٹ بھرتا دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں اس رات...." ذرا کھنکھار کر گویا ہوا۔ "آبدار سے ملنے...." زمر نے نظریں اس کی طرف پھیریں۔ بس اس کے تاثرات دیکھنے کی دیر تھی' وہ سادگی سے بولا۔ "آبدار سے ملنے ہی گیا تھا۔"

"معلوم ہے۔ بار بار کیا جتانا چاہ رہے ہو؟" وہ سخت بیزار ہوئی۔

"نہیں میں تمہارے کپڑے دیکھ کر سوچ رہا تھا کہ اس نے بھی یہی رنگ پہن رکھا تھا۔" اب کے زمر نے مشکوک نظروں سے اسے

گھورا۔ "پچھلے دو دن میں تم اس کے کپڑوں کے پانچ رنگ بتا چکے ہو مجھے۔ اب تو مجھے اس بات پہ یقین بھی نہیں آ رہا۔ تم سچ مچ گئے بھی تھے یا...." کچھ سوچ کر مسکرائی۔ "ہاشم نے دروازے سے ہی بھگا دیا؟"

"ہونہہ۔ اس کی اتنی مجال۔" وہ بڑبڑا کر گویا برا مانتا ہوا رخ پھیر گیا۔

"ویسے ہے تو وہ تمہارا کزن، لیکن ایک بات ہے۔ اس کی کلاس، اس کا گریس، اس کا مخالف کو مسکرا کر چت کر دینے کا انداز، یہ سب تم میں اس جیسا نہیں ہے۔ میں سوچتی ہوں ہاشم اگر اچھا آدمی ہوتا تو میں اس کی سب سے بڑی فین ہوتی۔" فارس نے سافٹ ڈرنک کا گلاس ہی میز پہ پٹخ دیا اور خفگی سے اسے دیکھا جو معصومیت سے بولے جا رہی تھی۔

"اگر تم نے ہاشم کی باتیں ہی کرنی ہیں تو میں اٹھ کر جا رہا ہوں۔"

"جلتے ہو اس سے؟" ایک اور سوال۔ وہ جواب دیے بنا اسے گھورتے ہوئے اٹھا اور آگے بڑھ گیا۔ زمر مسکراہٹ دبائے کیک کا بقیہ حصہ کھانے لگی۔ اب آیا تھا اصل مزا۔

ان سے ہٹ کر دیکھو تو ایک طرف ٹولی بنا کر حنین اور اس کی دونوں کزنز بیٹھی تھیں اور وی کے نشان بنا کر سیلفی لے رہی تھیں۔ سارہ، ندرت اور ذکیہ بیگم بھی خوشگوار موڈ میں گفتگو میں مگن تھیں۔ ایسے میں صرف سعدی تھا جو ایک ٹیبل کے گرد اکیلا بیٹھا موبائل پہ لگا تھا۔ وہ اداس تھا اور خاموش تھا۔ فارس اس کے قریب آ کر بیٹھا تو اس نے محض سر اٹھا کر اسے دیکھا، پھر دوبارہ فون کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"پراسیکیوشن آفس سے کال آئی تھی۔ مجھے اب کسی قسم کی انکوائری کے لئے آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ غالباً ہاشم نے اپنا دعویٰ اور تعاون واپس لے لیا ہے۔ وہ فصیح کی لاش تھی، یا گواہوں نے میرے بارے میں کچھ کہا، سب واپس لے لیا ہے اس نے۔ تھینک یو۔"

فارس نے محض سر کو خم دیا، گویا شکریہ قبول کیا پھر کھوجتی نظروں سے اسے دیکھا۔ "مسز کاردار کا کون سا راز ہے تمہارے پاس؟"

"میں اس طرف جانا نہیں چاہتا۔ کچھ راز دوسروں کی زندگیاں بھی خطرے میں ڈال دیتے ہیں۔"

"ہم نے ایک فیصلہ کیا ہوا ہے سعدی کہ ایک دوسرے سے کچھ نہیں چھپائیں گے۔"

"میں اس فیصلے کے وقت آپ کے ساتھ نہیں تھا۔" وہ مغموم سا مسکرایا تھا۔ فارس خاموش ہو گیا۔

پیچھے سے ندرت کی آواز سنائی دے رہی تھیں۔ وہ تینوں لڑکیوں کو ظہر کی نماز کے لئے اٹھا رہی تھیں۔

"اٹھتے ہیں نا امی۔" حنین نے تابعداری سے کہتے ہوئے ایک اور تصویر بنائی۔

"تم لوگ تو جوان ہو۔ جلدی جلدی اٹھ سکتے ہو، پھر اتنی دیر کیوں لگاتے ہو؟" وہ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر اٹھتے ہوئے بولی تھیں۔ "جوانی میں دین بائی چوائس ہونا چاہیے، بائی چانس نہیں۔ یہ جس جذبے اور دل سے تم لوگ اس عمر میں عبادت کر سکتے ہو نا، یہ بڑھاپے میں نہیں ہو گا۔ غلط لگتا ہے تم لوگوں کو کہ بوڑھے ہو کر عبادت کی ساری کمی پوری کر لو گے۔ بڑھاپے میں روز کیلشیم کھانا جوانی کے دنوں کے روز تین گلاس خالص دودھ پینے کے برابر نہیں ہو سکتا۔ روح بھی ہڈیوں کی طرح ہے۔ جوانی سے اسے عبادت پہ مائل کرو گے تو بڑھاپے میں درد

اور تکلیف کم ہوگئی۔"

"اٹھ جاؤ حنہ! اس سے پہلے کہ امی یہ مہذب زبان بدل کر اپنی نارمل ٹون میں واپس آجائیں۔" سیم نے حنہ کی طرف جھک کر مشورہ دیا تھا' جو امی نے سن لیا تھا۔ وہ جوتا اتارنے جھکی تھیں۔

"بے غیرت' بے ہدایتے' تجھے تو میں ابھی بتاتی ہوں۔" سیم فوراً نیچے کی طرف بھاگا تھا۔ بہت سے قہقہے بلند ہوئے تھے۔

"سوری۔ میں کل کچھ زیادہ ہی بول گئی۔" سارہ سعدی کے ساتھ آکر بیٹھی اور نرمی سے بات شروع کی۔ وہ مغموم مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔ پسِ منظر کی ساری آوازوں سے بے نیاز' وہ اس کے سامنے بیٹھی اب سادگی سے اپنا مدعا بیان کرنے لگی تھی۔ فارس اٹھ گیا۔

"مجھے لگا میں جو کر رہی ہوں' وہ زیادہ بہتر ہے۔ خاموش رہ کر اپنا کام کیے جاؤ' اور اپنے پراجیکٹ کو کامیاب بنا کر کاردارز کو اس مقام پہ شکست دو۔ پازیٹو انرجی سے greater good کے لئے کام کرو۔ مصلحت پسندی' احتیاط' تھوڑی سی بزدلی' یہ سب تھا میرے اندر' مگر مجھے ہمیشہ لگا کہ میں صحیح انتخاب کر رہی ہوں۔"

"سارہ خالہ!" وہ اسی اداس مسکراہٹ سے اسے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔ "ویسے تو اللہ کا قرآن سارے کا سارا بہت خوبصورت ہے' لیکن کچھ آیات دل پہ کسی اور ہی طرح سے اثر کرتی ہیں۔ میں آپ کو بتاؤں میری سب سے پسندیدہ آیت کون سی ہے؟"

اگر حنین سامنے ہوتی تو ہر روز اپنی پسند بدلنے پہ اس پہ دو چار فتوے تو ٹھونک ہی دیتی مگر سارہ مسکرا کر اسے دیکھتی سنتی گئی۔

"سورۃ الاعراف کی 16 اور 17 ویں آیت۔ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو جنت کے باغوں سے دھتکار کر دنیا میں بھیجا اور اسے مہلت دی تو اس نے کہا' جیسا تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں بھی ضرور ان کی تاک میں تیری سیدھی راہ پر بیٹھوں گا۔ پھر ان کے پاس ان کے آگے ان کے پیچھے ان کے دائیں اور ان کے بائیں سے آؤں گا اور تو اکثر کو ان میں سے شکر گزار نہیں پائے گا۔' وہ سانس لینے کو رکا۔ سارہ اسے سنے گئی۔ بالکل توجہ سے۔

"میں سوچتا ہوں' ابلیس جب جانتا تھا کہ اللہ کا راستہ سیدھا ہے تو اس نے کیوں چھوڑا اسے؟ اور اگر چھوڑنا ہی تھا تو اسے سیدھا راستہ بولا کیوں؟ "آپ کے سیدھے راستے پر" بھی کہہ سکتا تھا مگر اس نے کہا' آپ کے سیدھے راستے پہ بیٹھوں گا۔ شاید ابلیس نے مستقیم سے مراد درست نہیں بلکہ straight (سیدھا) لیا ہو۔ سیدھے راستے کا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے ذرا سا ترچھا چلو تو شروع میں تو بس سیدھی لائن سے ذرا سا فاصلہ پیدا کر لیتا ہے انسان لیکن جیسے جیسے آگے بڑھتے جاؤ' آپ سیدھی لائن سے مزید دور ہٹتے جاتے ہیں۔ 90 ڈگری کی لکیر سے ایک ڈگری ہٹو تو آگے جا کر آپ سیدھی لائن سے بہت دور نکل جاتے ہیں۔ پھر آپ کو صراطِ مستقیم والی منزل نہیں ملتی۔ راستہ بدلتا ہے تو منزل بدل جاتی ہے۔ اور اس راستے سے ہمیں ادھر ادھر ہٹانے کے لئے شیطان کئی طریقوں سے ہم پہ حملہ آور ہوتا ہے۔ سب سے پہلے وہ آگے سے آتا ہے۔ آگے مستقبل ہوتا ہے۔ وہ ہمیں مستقبل کا خوف دلاتا ہے۔ یہ کرو گے تو تمہارا کریئر نہیں بنے گا' تمہاری فیملی کا کیا ہوگا۔"

(سارہ کا چہرہ جھک گیا۔) "تمہاری شادی نہیں ہوگی' تم یہ اچھا کام کرو گے تو بالکل anti-social ہو جاؤ گے۔ پھر وہ ہمارے پیچھے سے

آتا ہے۔ ہمیں ماضی کے کام یاد دلا کر ان کے گلٹ میں ایسا مبتلا کرتا ہے کہ ہم کوئی اچھا کام کرنے کے قابل ہی نہیں رہتے۔ وہ کہتا ہے' تمہارے تو ماضی میں اتنے اسکینڈل رہے' اب تو تمہاری شادی بھی اپنے جیسے بدکردار سے ہوگی۔ تم نے ماں باپ کا اتنا دل دکھایا' اب تو تم کبھی ہدایت پا ہی نہیں سکتے۔ تم نے نمازیں چھوڑ دیں' اب تو تم کبھی واپس نیک ہو ہی نہیں سکتے۔ اس کے بعد وہ دائیں سے آتا ہے۔ ہمیں اچھے کاموں کی ترغیب دیتا ہے اور ہم سے گناہ کرواتا ہے۔ ثواب کا جھانسہ دے کر بدعتیں کرواتا ہے۔ نئے نئے دین میں داخل ہونے والوں کو کہتا ہے اسلام تو ساری خواہشات مارنے کا نام ہے' سو ٹاٹ پہ سوؤ اور روکھی سوکھی کھاؤ۔ جو رشتہ دار حرام کا کھاتا ہے اس سے قطع تعلق کر لو۔ سب سے پہلے ماں باپ کو ان کے گناہوں پہ ٹوکو' ہر وقت دوسروں کے عیوب پہ ان کو نصیحت کرو' اور ایسے کئی غلط کام وہ ہمیں ''دین'' کہہ کر کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ان تینوں راستوں کے بعد وہ آتا ہے بائیں سے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ صرف آتا ہی بائیں سے ہے' مگر شیطان کا یہ آخری راستہ ہوتا ہے۔ وہ ہمیں برے کاموں کی ترغیب دیتا ہے۔ جھوٹ چوری قتل' فحش کام' یہ سب وہ آخر میں کرتا ہے جب اس کو ہمارے بگڑنے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا۔ وہ ان کاموں سے شروع کبھی نہیں کرتا۔ آدم علیہ السلام اور بی بی حوا کے پاس بھی وہ ''آگے'' سے آیا تھا۔ ان کو مستقبل کا ایک دلفریب خواب دکھایا تھا۔ سو شیطان والے کام صرف ''غلط'' کام نہیں ہوتے' بلکہ مستقبل کا خوف' ماضی کا غم اور نیکی میں انتہاپسندی بھی شیطان کا جھانسہ ہوتی ہے۔''

''تو پھر قصور ہمارا ہوا یا شیطان کا؟'' وہ گہری سانس لے کر بولی تھی۔ وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''شیطان تو صرف کہتا ہے' کرتے تو ہم خود ہیں۔ ہم سب آپ کو کہتے رہے' گواہی دیں' آپ نے نہیں بات مانی۔ انسان اپنے آپ کو خوب جاننے والا ہوتا ہے۔ لیکن اس سب کا یہ مطلب نہیں کہ شیطان کے آگے ہم بے بس ہیں۔ کیا آپ نے نوٹ نہیں کیا کہ شیطان نے چار سمتوں کو ذکر کیا ہے۔ آگے' پیچھے' دائیں' بائیں۔ مگر دو راستے اس نے کھلے چھوڑ دیے۔ اوپر اور نیچے کا راستہ۔'' اس نے انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ ''اوپر ہے دعا کا راستہ اور نیچے....'' اس نے نیچے کی جانب انگلی موڑی۔ ''نیچے ہے سجدے کا راستہ۔ وہ ان دو راستوں پہ نہیں بیٹھ سکتا۔ جانتی ہیں اس نے اپنے چار راستے کہہ کر کیا کہا اللہ سے؟ اس نے کہا' آپ انسانوں کی اکثریت کو شکر گزار نہیں پائیں گے۔ تو سارہ خالہ' نا سارے مسئلوں کا حل ہے شکر۔ اور شکر کہتے ہیں قدر دانی کو۔ جو کشتی میں بچے رہنے کی عافیت کی قدر کرتا ہے' اسے ڈوبنے کا خوف نہیں ہوتا۔ جو گمراہی کے بعد ہدایت پا لینے کی قدر کرتا ہے اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے' ماضی کے گناہ اس کو غمزدہ نہیں کرتے۔ جو اپنے دین کی آسانیوں کی قدر کرتا ہے' شیطان اس کو دین کے نام پہ بہکا نہیں سکتا' اور چونکہ قدردان انسان دوسرے انسانوں کی ایک خامی کو دیکھ کر اس کی ساری خوبیوں کی قدر کرنا نہیں چھوڑتا' تو وعظ و نصیحت کے نام پہ شیطان اس سے دوسرے انسانوں کے جذبات نہیں مجروح کروا سکتا۔ اور جس کو اللہ کی قدر ہوتی ہے' وہ برے اور فحش کاموں کی طرف نہیں لپکتا کیونکہ ایسی تسکین کا کیا فائدہ جس کو لے کر بندہ اللہ کو کھو دے۔ تو جو قدر کرنا جانتا ہے' جان کی' مال کی' رشتوں کی' دولت اور وقت کی' ہدایت کی' اس کے اوپر اور نیچے کے راستے کھلتے رہتے ہیں اور وہی اس کی ڈھال بن جاتے ہیں۔ جو ہے' اس کی قدر کیجیے۔ پھر جو نہیں ہے' وہ نہ آپ کو ڈرائے گا نہ غمزدہ

کرے گا۔" اور یہ کہہ کر وہ ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔ "میں نے اپنے ہاتھوں سے وولوگ مارے ہیں سارہ خالہ اور یہ کرنے کے بعد میں ماضی کے گلٹ میں اتنی دور تک گھر گیا تھا کہ مجھے لگتا تھا اب میں خود کو دوبارہ حاصل نہیں کر سکوں گا۔ اور میں سوچتا تھا کہ جو لڑکا میں چند سال پہلے تھا' وہ مجھے اب دیکھے گا کیا سوچے گا؟ مگر سارہ خالہ' وہ لڑکا اس سب سے نہیں گزرا تھا جس سے میں گزرا ہوں' اس لئے میں اب اپنے فیصلوں کی قدر کرنا چاہتا ہوں۔ دو انسانوں کی جان نہیں لی میں نے بلکہ ایک انسان کی' یعنی اپنی جان بچائی ہے ان سے۔ یہ برا کام نہیں تھا۔ میں اپنے غم سے نکل رہا ہوں۔ آپ بھی اپنے خوف سے نکل آئیں۔"

سارہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ سعدی پہ جمی اس کی نظروں میں ننھے تارے چمک رہے تھے۔ "میں گواہی دوں گی سعدی!" وہ ایک عزم سے بولی تھی۔ "میں سچ بولوں گی کورٹ میں۔ اور میں نہیں جانتی کہ اس کے بعد ہاشم میرے اور میرے بچوں کے ساتھ کیا کرے گا' لیکن اگر بہت سی ماؤں کے بچوں کو بچانے کے لئے یہ قدم ضروری ہے تو ٹھیک ہے۔ ہم جگر آزماتے ہیں۔"

"اور اسے تیر آزمانے دیتے ہیں۔" وہ مسکرا کر بولا تھا۔ بہت سا بوجھ کندھوں سے ہٹا تھا۔ روشنی بس تھوڑی دور دکھائی دے رہی تھی۔

اب تم ان کو یہیں چھوڑ کر قصرِ کاردار میں جاؤ تو ڈائننگ روم میں سربراہی کرسی پہ ہاشم بیٹھا اتوار کا لیٹ ناشتہ کر رہا تھا۔ ساتھ بیٹھی بجھی بجھی سی جواہرات صرف چائے کے گھونٹ بھر رہی تھی۔ اور دوسری جانب بیٹھا نوشیرواں اچنبھے سے ہاشم کو دیکھ رہا تھا۔

"سو آپ ممی سے اس لئے خفا ہیں کیونکہ ممی نے سعدی کو مروانے کا حکم دیا؟ اسی سعدی کو بھائی جسے میں نے گولیاں ماری تھیں' اور آپ نے ہسپتال سے اغوا کروایا تھا۔" وہ جتا کر بولا تھا۔

"ممی نے مجھے دھوکہ دیا' اور یہ بھولنے میں مجھے کچھ وقت لگے گا۔" وہ ماں کو نظر انداز کر کے درشتی سے بولا تھا۔ جواہرات کی آنکھ سے آنسو ٹوٹ کر گرا۔

"میں نے ساری عمر تم دونوں کے لئے لگا دی اور آخر میں مجھے یہ صلہ ملا۔ بہت اچھا میری بیٹے!" وہ دکھی صورت بنائے کہہ رہی تھی۔

"یہ victim card کھیلنا میرے اوپر اثر نہیں ڈالتا مسز کاردار۔" وہ رکھائی سے کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔

جواہرات نے گیلی آنکھوں سے نوشیرواں کو دیکھا۔ "کیا تم بھی مجھ سے خفا ہو؟ میں نے جو کیا تمہارے لئے کیا۔"

"میرے لئے؟ اگر ایسے سعدی مر جاتا تو کل کو ڈاکٹر سارہ تو یہی گواہی دیتیں نا کہ نوشیرواں نے اسے گولیاں ماری ہیں۔ میں تو قاتل بن جاتا۔ اپنے گناہوں پہ دوسروں کو "دعبہ" بنانے کی بجائے ان کو خود فیس کریں ممی۔" وہ بھی اکھڑا اکھڑا سا کہہ کر ناشتہ کرنے لگا۔ جواہرات ابھی اسے سخت سست سنانے ہی لگی تھی کہ ہاشم زینے پھلانگتا واپس آتا دکھائی دیا۔ چند کاغذ اور قلم اس نے جواہرات کے سامنے لا پٹخے۔

"ان پہ دستخط کریں۔"

"یہ کیا ہے؟" وہ حیران ہوئی۔

"آپ کمپنی میں اپنے شیئرز میرے نام منتقل کر رہی ہیں' آپ بورڈ آف ڈائریکٹرز سے استعفیٰ دے رہی ہیں' اور آپ اپنے بینک اکاؤنٹس

میں مجھے جوائنٹ ہولڈر بنا رہی ہیں۔ آج کے بعد آپ آفس نہیں آئیں گی' نہ ہی میری اجازت کے بغیر ایک دھیلا بھی خرچ کر سکیں گی۔ اپنی تمام جائیداد کا پاور آف اٹارنی آپ میرے نام منتقل کر رہی ہیں۔" وہ ایک ایک کاغذ کی تفصیل بتاتا گیا۔ جواہرات کا چہرہ سرخ ہوا۔ آنکھوں میں غصہ در آیا۔ آنسو وغیرہ سب غتربود ہو گئے۔

"تم میرے ساتھ یہ کیسے کر سکتے ہو؟"

"آپ ثابت کرنا چاہتی ہیں کہ آپ کے لئے میں زیادہ اہم ہوں یا یہ سب مادی چیزیں تو دستخط کریں اور ثابت کر دیں۔" ہاشم اب کے ذرا دھیمے لہجے میں بولا تھا۔ وہ اس کے سر پہ کھڑا تھا' اور جواہرات ششدر سی بیٹھی ان کاغذوں کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں ان کو سائن نہیں کروں گی۔" وہ غرائی تھی۔ "کیا کر لو گے تم' ہاں؟"

"میں یہ کروں گا۔" ہاشم نے ہتھیلی میز پہ رکھ کر جھکا' پین اٹھایا اور دھڑا دھڑ ان کاغذات پہ دستخط کرتا گیا۔ ہو بہو جواہرات کے دستخط۔ جواہرات کا سانس رک گیا۔ آنکھوں کی پتلیاں ساکت ہو گئیں۔

"تم....."

"تھینک یو ممی۔ آج کے بعد آپ کو آفس آنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ کاغذ سمیٹتا سیدھا ہوا اور پلٹ گیا۔ جواہرات نے بے یقینی سے نوشیرواں کو دیکھا۔ "یہ غیر قانونی ہے۔"

"تو گرفتار کروا دیں بھائی کو۔" وہ بھی بیزاری سے بولتا اٹھ گیا تھا۔ جواہرات یک ٹک اس کی شکل دیکھے گئی۔

اس کو جائیداد سے بے دخل کرنے کی پاداش میں جان سے مارا تھا اس نے اورنگزیب کو؟ کیا اس اولاد کے لئے؟ کیا یہ دن دیکھنے کے لئے؟ وہ ششدر سی بیٹھی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عہد انصاف آ رہا ہے منیر
ظلم دائم ہوا نہیں کرتا

اس روز سہ پہر گرمی کا زور گویا ٹوٹ سا گیا تھا۔ صبح پھر بارش ہوئی تھی اور موسم ٹھنڈا مگر حبس آلود ہو گیا تھا۔ ایسے میں کمرہ عدالت میں بھی گھٹن سی تھی مگر کارروائی اتنی دلچسپ جا رہی تھی کہ محسوس نہ ہوتا تھا۔ زمر کٹہرے میں کھڑی سارہ سے سوال پوچھ رہی تھی اور فارس پچھلی نشستوں پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ کبھی وہ سارہ کو دیکھتا' کبھی اپنے قریب مگر دوسرے کالم میں بیٹھے الیاس فاطمی کو۔ آج وہ اہم گواہ پیش ہوئے تھے اور فارس غازی کافی مطمئن نظر آتا تھا۔

"اور آپ کو یقین ہے کہ وہ کرنل خاور ہی تھا جس نے آپ کے گھر آ کر آپ کو دھمکایا۔" زمر پوچھ رہی تھی۔ کٹہرے میں کھڑی سارہ نے سفید لباس پہن رکھا تھا اور چہرہ بھی سفید مگر سپاٹ سا لگ رہا تھا۔ نظریں اعتماد سے زمر پہ جمائے اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"جی۔وہ وہی تھا۔"

زمر واپس گھومی اور ہاشم کو اشارہ کیا۔"your witness "وہ کوٹ کا بٹن بند کرتا اٹھا اور اپنے چمکتے ہوئے جوتے فرش پہ آگے بڑھاتا سارہ کے سامنے آکھڑا ہوا۔

"ڈاکٹر سارہ...ہم نے آپ کا پورا بیان بہت تحمل سے سنا۔" وہ رسان سے اس کی آنکھوں پہ نظریں جمائے کہہ رہا تھا۔"اب آپ سے میں کچھ سوال پوچھنا چاہوں گا تا کہ عدالت خود فیصلہ کر سکے کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون۔کیا آپ جواب دینے میں کمفرٹیبل ہیں؟"

"ایسے ظاہر مت کرو ہاشم جیسے تمہیں میری بہت پرواہ ہے'میرے بچوں کے باپ کو جیسے سنگ دلی سے مروایا تھا'اسی سنگ دلی سے جرح کرو۔میں تیار ہوں۔" وہ درشتی سے بولی تھی۔ہاشم ہلکا سا مسکرایا اور سر جھٹکا۔"خیر...آگے چلتے ہیں۔" ہاتھ باہم پھنسا کر کھڑے سارہ کو دیکھتے ہوئے اس نے چہرے پہ سنجیدگی طاری کی۔

"آپ کا کہنا ہے کہ سعدی یوسف کے ساتھ اس رات آپ نے میرے موکل کو دیکھا تھا۔"

"جی ہاں۔یہی تھا۔" سارہ نے پیچھے کرسیوں پہ بیٹھے شیرو کی طرف اشارہ کیا جو سپاٹ شکل بنائے بیٹھا تھا۔آج جواہرات موجود نہیں تھی۔

"جس وقت آپ کے بقول نوشیرواں نے سعدی کو گولی ماری' کیا آپ نے اس وقت اس کے ہاتھ میں پستول کو جھٹکا کھاتے دیکھا تھا؟"

"میں وہیں تھی ہاشم'میں کبھی خوف سے سر اندر کر لیتی'اور کبھی باہر نکالتی'اس کو پستول پکڑے'اس کو بولتے'سعدی کو بوٹ سے مارتے'میں نے سب دیکھا تھا۔"

"ڈاکٹر سارہ جب گولی پستول سے نکلتی ہے تو آگ کا شعلہ سا ساتھ نکلتا ہے اور پستول جھٹکا کھاتا ہے۔میں آپ سے پوچھ رہا ہوں کیا آپ نے وہ لمحہ دیکھا تھا یا نہیں؟"

سارہ نے گہری سانس لے کر آنکھیں بند کیں۔"وہاں کوئی اور نہیں تھا'اور نوشیرواں کی ساری باتیں سنی تھیں میں نے'وہی تھا سعدی کا حملہ آور اور...."

"ڈاکٹر سارہ' آپ نے وہ لمحہ دیکھا تھا یا نہیں؟ہاں یا ناں؟" وہ درشتی سے اونچا سا بولا تھا۔زمر نے بے اختیار لب کاٹے تھے۔

"نہیں!" سارہ کی آواز دھیمی ہوئی۔

"اوکے بات ختم۔آپ نے نوشیرواں کو گولی چلاتے نہیں دیکھا تھا۔" وہ سر ہلا کر کہہ رہا تھا۔"ڈاکٹر سارہ آپ بائی پروفیشن ایک اہم پراجیکٹ کی ہیڈ ہیں'ایک حساس ادارے کی سائنسدان ہیں'آپ کی انگلیوں کے چند کلکس کی مار ہے ڈرون پروگرام'آپ تو راکٹ سائنٹسٹ ہیں۔آپ جیسی عورت کیوں اتنے ماہ خاموش رہی؟" وہ حیرانی سے کہہ رہا تھا۔

"کیونکہ آپ اور آپ کا خاندان مجھ سے زیادہ طاقتور اور بااثر ہے۔اور چونکہ آپ کے دستِ راست نے مجھے میرے گھر میں گھس کر ہراس کیا تھا اس لئے میں خوفزدہ ہو گئی تھی۔"

## پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-
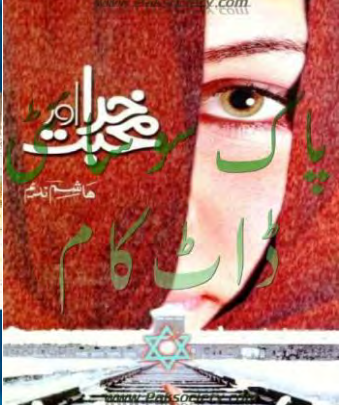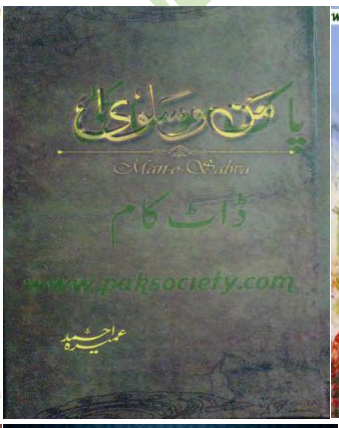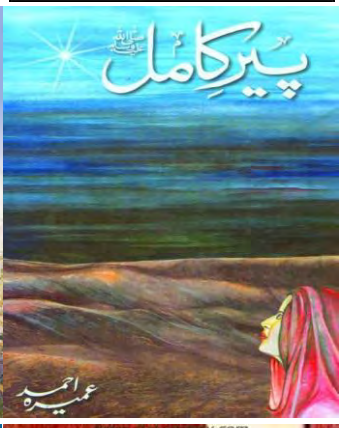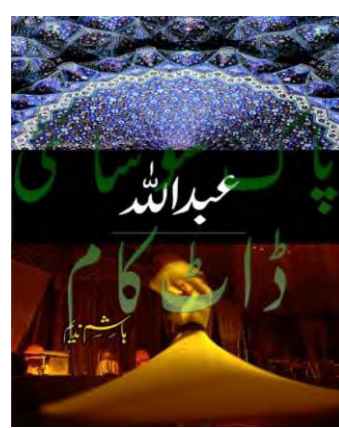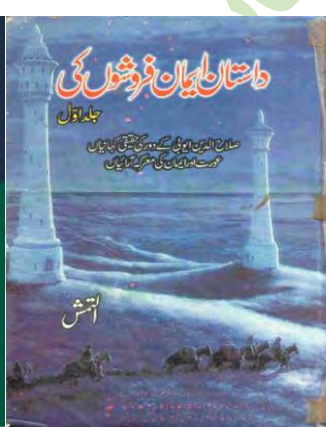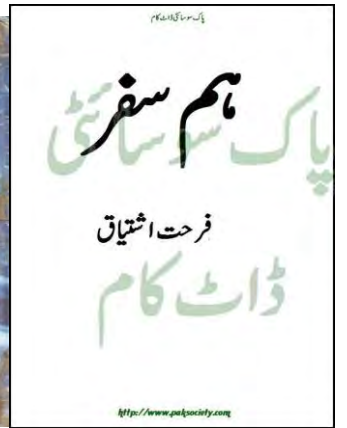
''اچھا اب آپ خوفزدہ کیوں نہیں ہیں؟''

سارہ ہلکا سا مسکرائی۔''اب بھی ہوں۔ بہت زیادہ۔ اگر کیس کا فیصلہ سعدی کے حق میں نہ ہوا تو تم ہمارے ساتھ کیا کرو گے میں سوچنا بھی نہیں چاہتی۔ لیکن اب میں ڈر ڈر کے بھی تھک چکی ہوں۔ اس لئے میں تمہیں اور تمہارے بھائی کو ان کے منطقی انجام تک پہنچانا چاہتی ہوں۔''

وہ اس کی بات مکمل ہونے کا انتظار کیے بغیر کہنے لگا۔''کیا یہ سچ ہے کہ آپ اپنے شوہر کی مبینہ طور پہ خودکشی کے بعد ڈاکٹر مبرین وقار سے سائیکوتھراپی سیشن لیتی رہی ہیں؟''

''ڈیم اٹ!'' زمر نے سر جھکا کر پیشانی مسلی تھی۔ سعدی نے پریشانی سے اسے دیکھا مگر اب وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

''کبھی کبھار۔ جی ہاں۔ میں بیوہ ہوئی تھی۔ میری جاب تھی۔ بچے چھوٹے تھے اور مبرین میری فرینڈ ہے۔'' سارہ حیران ہوئی تھی۔

''کیا یہ بھی سچ ہے کہ ڈاکٹر مبرین نے آپ کو چند اینٹی ڈپریسنٹ prascribe کیے تھے جو آپ باقاعدگی سے لیتی ہیں۔''

''آج کل کون سا پراجیکٹ ڈائریکٹر سائنسدان یا کون سی کیریئر وومن ہے جو اینٹی ڈپریسنٹ نہیں کھاتی؟''

''آپ اینٹی ڈپریسنٹ لیتی ہیں یا نہیں لیتیں؟''

''ہاں ٹھیک ہے میں لیتی ہوں مگر۔''

''اور اینٹی ڈپریسنٹ کے سائیڈ ایفیکٹس میں paranoia' blurry vision یہ سب شامل ہوتا ہے۔ اس رات بھی آپ کے جسم کے اندر اینٹی ڈپریسنٹ کا مادہ گھلا ہوا تھا۔ نوشیرواں کو گولی چلاتے آپ نے نہیں دیکھا' پھر بھی مصر ہیں کہ وہی مجرم ہے۔ ایک عورت جس کی ذہنی حالت اور بصارت مکمل طور پہ درست نہیں ہے' وہ رات کے اندھیرے میں' جبکہ اس کالونی میں بجلی بھی نہیں تھی' ڈاکٹر سارہ کا کسی کو دیکھ کر پہچان لینا' انتہائی احمقانہ بات لگتی ہے یور آنر۔'' وہ اب جج صاحب سے مخاطب تھا۔ زمر ایک دم کھڑی ہوئی۔

''ہاشم آپ کیسے پتہ؟''

''کیا؟'' ہاشم اس کی طرف گھوما۔

''یہی کہ اس کالونی میں اس وقت بجلی نہیں تھی؟ کیونکہ جب سعدی کو وہاں سے اٹھایا گیا' تب تو بجلی آ گئی تھی' اور اس کالونی کے تمام گھر زیرِ تعمیر تھے' آس پاس کی کئی گلیاں زیرِ تعمیر اور ویران تھیں' وہاں کوئی...؟ تو تھا نہیں تو آپ کو کس نے بتایا کہ وہاں اس وقت بجلی نہیں تھی؟''

نوشیرواں نے چونک کر زمر کو دیکھا تھا' البتہ ہاشم کے اطمینان میں فرق نہیں پڑا۔''سعدی یوسف نے اپنے بیان میں کہا تھا شاید۔''

''میں نے اپنے بیان میں ایسا کچھ نہیں کہا۔'' وہ بلند آواز میں بولا تھا۔

''بجلی والی بات ہاشم کہیں mention ہی نہیں ہوئی تو آپ کو کیسے معلوم؟'' وہ دو بدو کہہ رہی تھی۔ ہاشم نے ہلکا سا ہنس کر سر جھٹکا۔

''میں اپنا ہوم ورک مکمل کرتا ہوں مسز زمر۔ مجھے معلوم ہے کہ وہاں اس وقت بجلی نہیں تھی جب نیاز بیگ نے سعدی یوسف پہ حملہ کیا۔''

''تمہارے بھائی نے بتایا ہے تمہیں ہاشم مان لو۔'' سارہ حقارت سے اسے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔ جج صاحب کو اپنا ہتھوڑا بجانا پڑا تھا۔ ایک دم شور سا جو اٹھ گیا تھا۔ ایسے میں کافی لطف اندوز ہوتے فارس کے تاثرات بدلے۔ وہ چونک کر بائیں طرف دیکھنے لگا جہاں چند کرسیاں چھوڑ کے ایک شخص آ کر بیٹھا تھا۔ اس نے نسواری رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا' آنکھوں پہ لیاقت علی خان کے جیسا چشمہ لگایا ہوا تھا اور بال گیلے کر کے سر پہ جمے تھے۔ ہاتھ میں ایک لائٹر تھا جسے وہ بار بار کھول بند کر رہا تھا۔ نشست سنبھال کر وہ اب تسلی سے ساری کارروائی ملاحظہ کر رہا تھا۔

فارس فوراً اپنے فون پہ جھکا۔ ''یہ آدمی کون ہے؟'' لکھ کر احمر کو بھیجا۔ ہاشم کی نشست کے قریب بیٹھے احمر کی جیب تھرتھرائی تو اس نے فون نکالا اور ذرا ترچھا ہو کر میسج دیکھا۔ پھر آہستہ سے گردن موڑی اور پچھلی نشست سے پکچا اٹھا کر اپنے سامنے رکھا۔ ایک بھرپور نگاہ نوارد پہ بھی ڈال دی۔

''کوئی رپورٹر ہو شاید۔''

''اس کی تصویر لے کر بھیجو میں پتہ کرواتا ہوں۔ رپورٹر نہیں ہے۔ رپورٹرز تو اس جانب بیٹھے ہیں۔''

''راجر باس!'' احمر نے چند منٹ بعد اسے اپنی ایک سیلفی بھیجی جو اس نے ابھی ابھی اتاری تھی۔ پیچھے وہی شخص نظر آ رہا تھا۔ فارس نے وہ تصویر ایک نمبر پہ سینڈ کی اور ساتھ لکھا۔ ''یہ شخص کون ہے؟ اس کی تصویر فیشل recognition میں ڈالو۔ اور اس سے منسلک کوئی پاسپورٹ یا شناختی کارڈ ملے تو مجھے بھیجو۔'' ساتھ میں وہ گاہے بگاہے اس شخص پہ بھی ایک الجھی ہوئی نظر ڈال لیتا تھا۔ کون ہو سکتا تھا یہ؟

''شاید وہ پاسپورٹ اور میموری کارڈ....'' وہ بار بار کچھ سوچتا' پھر نفی میں سر ہلاتا۔ پھر بمشکل اس نے دھیان سامنے جاری کارروائی کی جانب مبذول کیا۔ سارہ اب اتر آئی تھی اور الیاس فاطمی کٹہرے میں کھڑا تھا۔ گردن کو اکڑا کر سیدھا اٹھائے وہ رعونت سے زمر کو دیکھ رہا تھا جو کاغذات کا پلندہ لئے اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔

''فاطمی صاحب' ہاشم کاردار سے آپ کا کیا تعلق ہے؟''

پیچھے کرسی پہ بیٹھا ہاشم تھوڑی تلے ہاتھ رکھے اب دلچسپی اور غور سے جاری مکالمہ دیکھ رہا تھا۔

''میرا ان صاحب سے کوئی ذاتی تعلق نہیں ہے۔'' زمر جو معروف سے انداز میں اگلا سوال پوچھنے جا رہی تھی' بے اختیار رکی۔ جیسے حیران ہوئی ہو۔ لاجواب ہوئی۔ جیسے وہ اس جواب کی توقع نہ کر رہی ہو۔ اس نے مڑ کر فارس کو دیکھا جواب سیدھا ہو کر بیٹھا تھا اور خفگی سے فاطمی کو دیکھ رہا تھا۔

''کیا آپ ذاتی طور پہ ہاشم کاردار کے دوست نہیں ہیں؟ کیا آپ کی ان سے ملاقات نہیں ہوتی رہتی؟'' اس کے انداز میں بے چینی سی تھی۔

''نہیں میں ان صاحب سے یکسر ناواقف ہوں۔ آپ کے پاس کیا ثبوت ہے وکیل صاحبہ کہ میری ان سے ملاقات ہوتی رہی ہے؟''

"فاطمی صاحب کیوں جھوٹ بول رہے ہیں؟ آپ نے خود ہمیں یہ معلومات دی تھیں۔ کیا یہ درست نہیں ہے کہ پچھلے ایک سال میں آپ اور ہاشم ان مقامات پہ ان تاریخوں میں ملے تھے؟" وہ اب ایک کاغذ ہاشم کے سامنے رکھتے ہوئے چند تاریخیں بتا رہی تھی۔ ہاشم نے کاغذ اٹھا کر غور سے پڑھا پھر نظریں اٹھا کر اتنے ہی غور سے فاطمی کو دیکھا۔

"یہ غلط ہے۔ اور میں نے آپ کو کوئی معلومات نہیں دیں۔"

"مگر آپ نے خود ہمیں بتایا تھا کہ آپ کے بیٹے کا spyware استعمال کر کے کرنل خاور نے اس کیس کی اہم سی سی ٹی وی فوٹیج مختلف اداروں کے ریکارڈز سے مٹائی تھیں۔ کیا یہ درست نہیں ہے؟"

"میرے بیٹے کا ایسا کوئی سافٹ ویئر نہیں ہے۔ یہ سب الزام ہے۔" زمر نے پلٹ کر پھر سے بے بسی سے فارس کو دیکھ کر شانے اچکائے جیسے وہ سخت خفا ہو۔ وہ بس تند و تیز نظروں سے فاطمی کو گھورے جا رہا تھا۔

"اور کیا یہ درست نہیں ہے کہ ہاشم نے اس کیس میں گواہی نہ دینے کے لئے آپ کو caymans میں ایک نیا اکاؤنٹ کھلوا کر دیا تھا اور..."

"آپ کے پاس کسی چیز کا ثبوت نہیں ہے۔ آپ لوگ صرف شہرت کے طالب ہیں۔" وہ برہمی سے کہہ رہا تھا۔ زمر فوراً تیزی سے جج صاحب کی طرف رخ کر کے بولی۔ "یور آنر میں الیاس فاطمی کو بطور ایک پراسیکیوشن witness give up کرتی ہوں۔ فاطمی صاحب آپ جا سکتے ہیں۔"

جج صاحب نے ہاشم کو دیکھا جو اب بھی بہت غور سے اس سارے تماشے کو دیکھ رہا تھا۔ زمر کی پریشانی اس کا واپس جا کر سر جوڑے سعدی سے گفتگو کرنا' دونوں کا جھنجھلاہٹ سے نفی میں سر ہلانا' پیچھے بیٹھے فارس کا فاطمی کو گھورنا۔ وہ ایک ایک مائیکرو ایکسپریشن دیکھ رہا تھا۔

"آپ کو کیا لگتا ہے الیاس فاطمی ان سے ملا ہوا ہے اور مکر رہا ہے۔" احمر نے اس کے قریب سرگوشی کی۔ ہاشم ہلکا سا مسکرایا اور گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ "نہیں۔ وہ ان کے ساتھ نہیں ملا ہوا۔ یہ سب اداکاری کر رہے ہیں۔ مجھے یہ امپریشن دے رہے ہیں کہ وہ ان کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ یہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہ رہے ہیں۔ یہ معلومات ان کو میرا کمپیوٹر وغیرہ ہیک کر کے آسانی سے مل گئی ہوں گی۔ رہی آخری اکاؤنٹ والی بات تو ہو سکتا ہے وہ تم نے ان کو بتائی ہو۔" مسکرا کر احمر کو دیکھا۔ وہ لمحے بھر کو کچھ بول نہیں سکا تھا۔ "سر میں آپ کے والد کے ساتھ۔"

"میرا والد مر چکا ہے' اور میں آئندہ سے اپنی gut feeling پہ بھروسہ کرنا چاہتا ہوں۔ میں پر یقین نہیں ہوں کہ تم تھے یا نہیں' لیکن تم فائرڈ ہو۔ اپنا سامان اٹھاؤ اور آج کے بعد مجھے میرے گھر یا میری ماں کے گرد بھی نظر نہ آؤ۔" مسکرا کر مگر چبا چبا کے کہتا وہ احمر پہ گویا ٹھنڈا پانی ڈال گیا۔ احمر بالکل شل بیٹھا رہ گیا۔ ہاشم نے چہرہ واپس جج صاحب کی طرف موڑ دیا تھا۔ اس کے انداز کی سختی اور قہر.... احمر اپنی چیزیں ابھی سے سمیٹنے لگا تھا۔

الیاس فاطمی اب کٹہرے سے اتر کے نیچے آ گیا تھا اور کرسیوں کے ساتھ سے گزرتا دروازے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ جس لمحے وہ فارس کی کرسی کے قریب آیا' لمحے بھر کو ٹھہرا۔ فارس نے صرف خشمگیں نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا مگر وہ اتنے اتنی ہی تندہی سے گھور رہا تھا۔

''تم میرے بیٹے کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ یہ ملک چھوڑ کر جا چکا ہے۔ امریکہ جیسے ملک میں نہ تم اس کا پیچھا کر سکتے ہو' نہ اس کو بال برابر نقصان پہنچا سکتے ہو۔'' گھمنڈی انداز میں کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔ کمرہ عدالت سے نکل کے وہ راہداری میں چلتا جا رہا تھا جب اسے اپنے پیچھے مانوس آہٹ کا احساس ہوا۔ فاطمی پلٹا تو دیکھا فارس اس کے عقب میں کھڑا ہے۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے' وہ عدالتی کمرے والے تاثرات کے برعکس بالکل پرسکون سا لگ رہا تھا۔

''کیا ہے؟''

''میں قاتل نہیں ہوں' نہ میں تمہارے بیٹے کو مارنا چاہتا تھا۔''

''اچھا۔ اور کچھ؟'' وہ خشک سے انداز میں بولا اور کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔

''میرا ایک بھائی تھا الیاس صاحب' اور وہ ایک اچھا آدمی تھا۔ وہ سچ بولتا تھا۔ ایمان داری سے اپنا کام کرتا تھا۔ لیکن پھر اس کو اس دنیا سے جانا پڑا۔ اس کو پنکھے سے لٹکا کر' ہاتھ پاؤں باندھ کر' اس کی گردن توڑی گئی کیونکہ تمہارا بیٹا' تمہارا لاڈلا بیٹا ایک مہنگی کار کا خواہشمند تھا۔'' وہ بولا تو اس کی آواز دھیمی تھی اور اس میں زمانوں کا دکھ سمویا تھا۔ ''اس کا ناز نخرہ اٹھانے والے باپ نے میرے بھائی کو بیچ دیا' اور کار خرید لی۔ یہ سب کچھ... آج جہاں ہم ہیں اور جہاں تم ہو' یہ سب تمہارے بیٹے کی ایک کار کی وجہ سے ہوا ہے۔ اس کی ایک اندھی خواہش کی وجہ سے۔ تو سزا تو اس کو بھگتنی ہوگی۔''

''تم... میرے خاندان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ اب اس ملک میں نہیں ہے۔''

''میں جانتا ہوں۔ وہ امریکہ پہنچ چکا ہے۔ وہی امریکہ جس کی ریاست ورجینیا میں اس کی کمپنی کا ڈیٹا سینٹر موجود ہے۔'' اب کے وہ مسکرایا تھا۔ لمحے بھر کو فاطمی سمجھ نہ سکا' کہ وہ کیا کہنا چاہ رہا ہے۔

''میں اس کو مارنا نہیں چاہتا تھا' وہ بس بہت عرصے سے امریکہ واپس نہیں جا رہا تھا۔ میں صرف اسے واپس بھیجنا چاہتا تھا تاکہ جب غیر قانونی سپائی ویئر کے لئے امریکی مٹی استعمال کرنے پہ ایف بی آئی اس کو گرفتار کرے تو وہ امریکہ میں موجود ہو۔ جس وقت تم اپنی گواہی دے رہے تھے' اس سے تین گھنٹے پہلے تمہارا بیٹا گرفتار ہو چکا ہے۔ چند گھنٹوں میں تم تک آفیشل خبر بھی پہنچ جائے گی۔ ایف بی آئی کی سب سے اچھی بات یہ ہے کہ وہ چھوٹی سے چھوٹی tip کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔''

''واٹ دا....'' الفاظ اس کے لبوں پہ ٹوٹ گئے۔ وہ بالکل سُن سا فارس غازی کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ فارس دو قدم آگے آیا' ہمدردی اور تاسف سے فاطمی کے شانے کی گرد جھاڑی' پھر اس کی ٹائی کی ناٹ ذرا سی' نادیدہ سلوٹ ہاتھ پھیر کے دور کی' اور اسی ملال سے کہنے لگا۔

''وہ تمہارا اکلوتا بیٹا ہے اور فیڈرک کورٹ میں اس پہ ایک طویل مقدمہ چلنے والا ہے۔ اس کا مسلمان ہونا اس کے لئے نقصان دہ ثابت ہو

گا۔اب تمہیں وہاں جانا ہوگا' یہاں سے استعفیٰ دے کر' اور وہ ساری دولت جو تم نے میرے بھائی کو بیچ کر بنائی تھی' الیاس فاطمی اب تم اس کی

ایک ایک پائی جوڑ کر امریکہ کے مہنگے وکیلوں کی فیسیں بھرنے میں لگے رہو گے۔اور اس کے بعد بھی اس کے رہا ہو جانے کی امید کم ہو گی۔ سو اب تم اپنے آفس جاؤ اور وہ کرو جو میں نے کہا تھا۔" اس کے کان کے قریب چہرہ لے جا کر وہ دھیرے سے بولا۔"اپنا استعفیٰ لکھو الیاس فاطمی! مجھے تمہارا استعفیٰ چاہیے۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو' بکواس کر رہے ہو۔ایسا کبھی نہیں ہوگا۔" اس کا سکتہ ٹوٹا تھا۔وہ غصے سے اس پہ غرایا اور پھر موبائل نکالتا تیزی سے آگے بڑھ گیا۔اب وہ پریشانی سے کسی کو کال ملا رہا تھا۔اس کی رنگت بدل رہی تھی' اور وہ بار بار بے یقینی سے نفی میں سر ہلاتا تھا۔پسینے کے ننھے قطرے اس کی پیشانی پہ بکھرے تھے اور فارس غازی سینے پہ بازو لپیٹے' ملال سے اسے جاتے دیکھ رہا تھا۔اسے لگا تھا کہ وہ یہ منظر دیکھ کر اچھا محسوس کرے گا۔

اور وہ کچھ بھی محسوس نہیں کر پا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیوں دل جلائیں کر کے کسی سے بھی اب سخن

جب گفتگو کا کوئی سلیقہ نہیں رہا

وہ شام جب شہر پہ اتری تو اس میں بارش کے بعد کی گیلی مٹی کی سوندھی سی خوشبو رچی بسی تھی۔ایسے میں سعدی یوسف فوڈ ایور آفٹر کے نیچے والے ریسٹورانٹ ایریا میں کھڑکی کے ساتھ بیٹھا تھا' اور سامنے لیپ ٹاپ کھلا رکھا تھا۔کل سے اپنی جاب پہ واپس جانا تھا اور وہ اس وقت اسی کی تیاری کر رہا تھا۔ریسٹورانٹ کے باہر اب ایک اور لڑکا پھولوں کا اسٹال لگاتا تھا۔گل خان اور اس کا خاندان دو ماہ قبل بہت سے افغان باشندوں کے ساتھ ڈی پورٹ کر دیا گیا تھا۔سعدی کام کرنے کی بجائے کتنی دیر باہر نظر آتے ان پھولوں کو دیکھتا رہا تھا۔پرانے لوگ آہستہ آہستہ جا رہے تھے' نئے لوگ آ رہے تھے' اور ہر گزرتے دن ہم سب بھی تو ایک نئے انسان میں ڈھلتے جاتے ہیں۔وہ انسان جس کو بعض دفعہ پہچاننا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ایسا انسان جس کے بارے میں ہمیشہ سوچا تھا کہ ہم یہ تو نہیں بنیں گے۔مگر قسمت کے آگے سب بے بس تھے۔

اونہوں۔غم نہیں کرنا۔سعدی نے نفی میں سر ہلا کر خود کو ٹوکا۔پھر کام کی طرف توجہ مبذول کرنی چاہی۔مگر فون بجنے لگا۔اس نے اٹھا کے دیکھا۔ایک نیوز چینل کے رپورٹر کی طرف سے پیغام آیا تھا کہ آٹھ بجے والے شو میں اس کو لائیو لائن پہ لیں گے۔اسے عدالت میں کیس کی پیروی کرنے کا کوئی فائدہ ہے بھی نہیں' اس موضوع پہ بات کرنی ہو گی۔

چھوٹے گھنگریالے بالوں والا لڑکا اداسی سے اس پیغام کو دیکھے گیا۔کیا عدالت میں کیس کی پیروی کرنے کا' اپنے اور اپنے خاندان والوں

کو سرِ عام رسوا کرنے کا ان کو کتنے لوگوں کی بندوقوں کی تان پہ لے آنے کا کوئی فائدہ تھا؟ کیا ساحرہ وکلاء کے دلائل کا کوئی توڑ تھا؟ حق اور سچ پہ ہونے کے باوجود کیس مسلسل ہارنے کی پوزیشن میں ہونا' اور اپنے ہر ثبوت کا ہاشم کے ہاتھوں مشکوک بنائے دینا۔ کیا اس سب سے نجات کا کوئی راستہ تھا؟

اس کے پاس ان سوالوں کے کوئی جواب نہ تھے۔ اس نے خاموشی سے فون آف کر دیا اور لیپ ٹاپ کی طرف توجہ مبذول کر دی۔ اسے خاموشی سے اپنا کام کرنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہجر ہے میرے چار سو ہجر کے چار سو خلا
میں بھی نہیں میرے قریب، تیرا تو خیر ذکر کیا!

ڈاکٹر اسمٰعیل حسن اپنے گھر میں بنی چھوٹی سی لائبریری میں اس وقت بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے مطالعے کے لیے چند کتب کھلی تھیں اور وہ بہت انہماک سے اپنے کام میں مصروف تھے جب ان کی بیٹی نے اندر جھانکا۔

''بابا....'' انہوں نے سر اٹھایا۔ وہ سفید داڑھی اور صاف ستھری شلوار قمیص پہنے' شفیق اور مہربان چہرے والے انسان لگتے تھے۔ بیٹی کو دیکھ کر مسکرائے۔ ''جی بیٹا؟''

''میرا ایک پرانا کلاس فیلو آپ سے ملنا چاہتا ہے۔'' وہ قدرے متذبذب تھی۔ ''لیکن میں چاہتی ہوں کہ آپ اس کو جج نہ کریں۔ وہ آج کل پوری دنیا میں اتنا تماشا بنا ہوا ہے کہ بہت مشکل سے میں نے اس کو راضی کیا کہ وہ آپ سے بات کر لے۔'' وہ ان کو سمجھا رہی تھی۔

ٹھیک دس منٹ بعد وہ نوجوان اندر داخل ہوا تھا۔ ڈاکٹر اسمٰعیل نے اسے ایسے دیکھا جیسے ہر نئے ملنے والے کو دیکھتے تھے۔ مسکرا کر اٹھے اور اسے خوش آمدید کہا۔ وہ متذبذب لگتا تھا۔ لباس اچھا تھا اور بال اوپر اسپائیکس کی صورت ابھار رکھے تھے۔ آنکھوں تلے گہرے حلقے تھے۔ کلائی میں چند بینڈز پہن رکھے تھے۔ وہ اسی تذبذب سے ان کے سامنے بیٹھا تو انہوں نے پوچھا۔ ''کیا نام ہے آپ کا؟''

''نوشیرواں کاردار۔'' اس نے جھجک کر بتایا۔ ''ٹی وی پہ ذکر تو سنا ہو گا آپ نے میرا۔'' ذرا تلخی سے بولا۔

''نہیں' میں نے واقعی آپ کا ذکر نہیں سنا۔ نوشیرواں آپ کو کیا بات پریشان کر رہی ہے' آپ مجھے بتائیں۔ شاید میں کوئی مدد کر سکوں۔''

اس نوجوان نے سر جھکا دیا' پھر کان کھجایا۔ پھر اسی طرح بولا۔ ''میں نے ایک گناہ کیا ہے۔''

''اگر گناہ راز ہے تو اسے راز رہنے دیں۔'' انہوں نے اسے روکا مگر وہ چہرہ اٹھا کر تلخی سے بولا۔ ''بچے بچے کو پتہ ہے' میں نے اپنے دوست کو تین گولیاں ماری تھیں۔ پھر میرے بھائی نے اسے اغوا کیا اور اس سے پہلے میرے بھائی نے.....''

''آپ مجھے وہ بتائیں جو آپ نے کیا ہے۔ بھائی کو چھوڑیں۔''

وہ ٹھہرا۔ پھر نظریں ان پہ جمائے ذرا مدھم آواز میں بولا۔ ''میں نے اپنے دوست کو تین گولیاں ماری تھیں۔''

"وہ مر گیا؟"

"نہیں بچ گیا۔"

"آپ کیا چاہتے تھے؟ کہ وہ مر جائے۔"

"پتہ نہیں۔ میں اسے...."

"پتہ ہوتا ہے سب انسان کو۔ آپ کیا چاہتے تھے؟"

"میں اسے اذیت دینا چاہتا تھا' شاید معذور کرنا چاہتا تھا۔ مارنا بھی چاہتا تھا۔ میں سب کچھ چاہتا تھا۔"

"اب وہ کیسا ہے؟ انہوں نے دھیمے انداز میں پوچھا تھا۔

"وہ میرے ساتھ مقدمہ لڑ رہا ہے۔"

"آپ نے اعتراف جرم کیا۔"

"نہیں کر سکتا۔ قانون کی محبوب اولاد ہوں' خاموش رہنے کا حق ہے مجھے۔"

"اب آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"میں اس سب سے نکلنا چاہتا ہوں۔" اس کی آواز میں کرب در آیا۔ "میں نادم ہوں۔ شرمندہ ہوں۔ دکھ میں ہوں۔ میں چاہتا ہوں وہ مجھے معاف کر دے۔"

"ایسے جرائم میں توبہ پکڑے جانے سے پہلے ہوتی ہے' پکڑے جانے کے بعد معافی ہوتی ہے۔ اور چونکہ مقدمہ چل رہا ہے تو فیصلہ آنے کے بعد یا تو آپ کو اپنی سزا بھگتنی ہوگی یا آپ کو اس سے معافی مانگنی ہوگی۔"

"میں سزا نہیں بھگت سکوں گا۔"

"معافی مانگ سکتے ہو؟"

"مجھے نفرت ہے اس سے۔"

"محبت کرنے کو کہہ بھی نہیں رہا۔ کسی کو معاف کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کو گلے سے لگایا جائے' اس کو دوست بنا لیا جائے۔ صرف ایک عہد کرنا ہوتا ہے کہ جو اذیت اس نے مجھے دی وہ میں نے اس کو نہیں دینی۔ اور اگر دوبارہ اس پہ ظلم کرنے کا موقع آئے تو اب میں نے وہ نہیں کرنا جو پہلے کیا تھا۔"

"کیا وہ مجھے معاف کر دے گا؟" اس کی آنکھیں گیلی ہوئیں۔ وہ اس وقت شدید بے بس نظر آ رہا تھا۔ "میں نے اس کی زندگی تباہ کر دی۔"

"اگر آپ اللہ سے معافی مانگیں تو اللہ لوگوں کے دلوں میں بھی آپ کے لئے رحم ڈال دیتا ہے۔ آپ کے اندر ایک اچھا انسان ہے اور

آپ کو اسے باہر نکالنا ہے۔"

"سوری مگر یہ pep talk مجھے نہ دیں۔ میرے اندر کوئی اچھا انسان نہیں ہے۔ میں نے اپنی جان بچانے والے دوست کو گولی ماری۔ اپنے بھائی کی بیوی پہ نظر رکھتا تھا میں۔" وہ زہرخند سا گویا ہوا۔ آنکھیں اب تک گیلی تھیں۔

"نوشیرواں یہاں ہر کوئی گناہگار ہے۔ گناہ کرنا' پھر توبہ کرنا' پھر گناہ کرنا پھر توبہ کرنا پھر گناہ پھر توبہ.... یہ مومنین کے اخلاق میں سے ہے۔ اچھے لوگ وہ ہوتے ہیں جو گناہوں کے بعد توبہ کرتے ہیں اور برے وہ ہوتے ہیں جو گناہوں کے بعد توبہ نہیں کرتے۔"

"یعنی دونوں برابر گناہ کرتے ہیں۔ تو پھر اچھے لوگ جنت وغیرہ میں کیسے جائیں گے؟"

"جنت میں ہمیں ہمارے اعمال نہیں اللہ کی رحمت لے جائے گی۔ اللہ پہ توکل لے جائے گا۔ توکل ہوتا ہے اللہ سے اچھی امید باندھنا۔ اگر آپ کے گناہ بڑے ہیں تو آپ کو مایوس نہیں ہونا۔ ہر چیز معاف ہو سکتی ہے اگر آپ معافی مانگیں۔ بڑے گناہوں کے بعد بڑی نیکیاں کریں۔ بڑے بڑے اچھے کام۔ یوں آپ کے گناہ دھل جائیں گے۔"

"اور کیا وہ مجھے معاف کر دے گا؟" اس کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔

"جب آپ اپنے دوسرے گناہ دھوتے جائیں گے' اور اللہ سے معافی مانگیں گے تو اس کا دل بھی تو اللہ کے ہاتھ میں ہے نا' وہ اسے آپ کی طرف سے پھیر دے گا' لیکن اس سے پہلے آپ کو اچھے کام کرنے ہوں گے۔ ایسے اچھے کام جو آپ کے چہرے کی ساری کالک دھو دیں۔"

"مثلاً کیا؟ میں کیا کر سکتا ہوں؟" وہ الجھ گیا تھا۔ اسے دور دور تک کوئی ایسی نیکی نظر نہ آتی تھی جو اسے اپنا لائق سمجھے۔ وہ جواب میں گہری سانس لے کر اسے سمجھانے لگے تھے۔ انہیں وہ لڑکا بھلا معلوم ہوا تھا اور وہ اس پہ کچھ وقت صرف کرنا چاہتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس صبح ہاشم اپنے آفس میں بیٹھا تھا۔ کرسی پہ پیچھے کو ٹیک لگائے' وہ چھت کو دیکھتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔ فون پہ الیاس فاطمی کے لاتعداد پیغام اور کالز کو وہ مکمل طور پہ نظرانداز کیے ہوئے تھا۔ وہ اس شخص سے کسی بھی قسم کا تعلق فی الحال افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔

"سر!" رئیس نے اندر جھانکا۔ ہاشم چونک کر سیدھا ہوا' پھر اسے بلایا۔

"عدالتی سماعت کا وقت ہونے والا ہے۔ لیکن اگر آپ کے پاس چند منٹ ہوں تو...." وہ ایک موبائل ہاتھ میں لئے اندر آیا۔ "آپ نے کہا تھا کہ آپ کو مس آبدار کا موبائل چاہیے۔ ان کے ایک ملازم نے یہ کام کر دیا ہے۔ ہو بہو اس سے جیسا موبائل ری پلیس کر دیا ہے' مگر وہ ڈیڈ ہے۔ اور یہ میں آپ کے لئے لے آیا تھا۔ پاسورڈ وغیرہ نہیں لگا ہوا۔" اس نے موبائل ادب سے اس کے سامنے رکھا۔ ہاشم نے ہاتھ جھلا کر اس کو واپس جانے کو کہا اور پھر موبائل اٹھا لیا۔ اسے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ پھر اسکرین روشن کی۔

واٹس ایپ سامنے ہی تھا۔ اس نے chats کھولیں۔ فہرست میں اوپر ایک نام جگمگا رہا تھا۔

فارس غازی۔ اس نے انگوٹھا اس نام پہ دبایا۔ سامنے ایک طویل گفتگو کھل گئی' جس میں نیچے نیچے آبی کے ان گنت پیغام تھے جن کا اس نے جواب نہیں دیا تھا۔ وہ گفتگو اوپر کرتا گیا۔ اس کے جبڑے کی رگیں کھنچتی گئیں۔ پیشانی کی سلوٹیں بڑھتی گئیں۔ سانس کی رفتار تیز ہوتی گئی۔

قریباً گھنٹے بھر بعد وہ کمرہ عدالت میں داخل ہوا تو اس کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ کسی خواب کی سی کیفیت میں وہ ڈگ اٹھاتا آگے بڑھ رہا تھا۔ استغاثہ کی کرسیوں پہ اسے ان کا سارا خاندان نظر آیا تھا۔ آج سعدی' زمر اور فارس کے ساتھ حنین اور اسامہ کے علاوہ ندرت بھی بیٹھی دکھائی دیتی تھیں۔ آبدار بھی ان کے قریب ہی موجود تھی۔ اس نے اپنی طرف کی کرسیوں پہ نگاہ دوڑائی۔ نوشیرواں اور جواہرات وہاں خاموش بیٹھے تھے۔ وہ بھاری قدم اٹھاتا اپنی نشست کی طرف بڑھ گیا۔ عدالتی کارروائی شروع ہونے میں چند منٹ رہتے تھے' وکلاء اپنی فائلوں کو پڑھ رہے تھے' کورٹ رپورٹر ٹائپنگ کے لئے تیار ہو رہا تھا' صحافی حضرات فون پہ لگے تھے۔ ایسے میں وہ تمام لوگ اس بات سے ناواقف تھے کہ کمرہ عدالت میں موجود ایک شخص بہت جلد اسی کمرے میں موجود ایک دوسرے شخص کا قتل کرنے جا رہا ہے۔

(اختتامی مراحل میں۔)